سبق آموز واقعات کا

حسین گلدستہ

جمع وترتیب

محمود اعظمی ندوی

آستانہ بھیرہ۔ ولید پور

ضلع مئو۔ یوپی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

پیشِ لفظ

باعثِ مسرت ہے کہ یہ ایک سبق آموزواقعات اور حیرت انگیز معلومات کا حسین گلدستہ حضراتِ قارئین کی پاکیزہ بصارتوں کے حوالہ ہے۔

عرصہ سے یہ دیرینہ خواہش اور دلی تمنا و آرزو تھی کہ عبرت خیز سبق آموز واقعات کو جمع کر دیا جائے، تاکہ ہر ایک کے لئے ان سے لطف اندوز ہونا اور استفادہ عام ہو سکے۔

الحمد للہ عزیزان گرامی برخوردار سلمان محمود سلمہ اور ان کے رفیق محترم محمد اسعد سلمہ کے گراں قدر تعاون سے یہ کام آسان سے آسان تر ہو گیا۔

اللہ رب العزت اپنی شانِ کریمی کے شایانِ شان ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔(آمین ثم آمین)

تو لیجئے آپ کے مطالعہ کی میز پر گلہائے رنگارنگ سے لبریز، قارئین کے لذتِ کام و دہن کے لئے واقعات کی عبرت خیز دنیا اور حالاتِ حاضرہ کی جھلکیاں اور ادب و انشاء ، شعر و سخن سے معمور سبق آموز دلچسپ واقعات اور حیرت انگیز معلومات سے بھرپور ایک حسین گلدستہ بشکلِ کتاب حاضرِ خدمت ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

محمود الاعظمی الندوی

۳۰ جنوری ۲۰۲۳ء

امامِ مسجد کی بد دُعا کا اثر

ہر مسجد میں تین چار ایسے بندے لازمی ہوتے ہیں جو امام کے ساتھ مفت کی دشمنی پالتے ہیں مسجد کا امام ہونا بھی عجیب منصب ہے کوئی بھی شخص امام پر اعتراض کر سکتا ہے اور کوئی بھی ڈانٹ ڈپٹ کا حق رکھتا ہے امام کیسا بھی عالی مرتبہ اور عظیم کردار کا مالک کیوں نہ ہو مقتدیوں کی جلی کٹی باتوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو دیکھیے جلیل القدر صحابی ہیں پہلے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں اور عشرہ مبشّرہ میں سے ہیں رسول اللہ ﷺ جنہیں اپنا ماموں فرمارہے ہیں ان کے حق میں قرآن کی آیتیں نازل ہو رہی ہیں واحد ایسے صحابی ہیں جن کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے والد اور والدہ کو جمع کرتے ہوئے فرمایا: فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ تجھ پہ میرے ماں اور باپ قربان جن کے دل میں کسی مسلمان کے لئے بغض و حسد نہ تھا مستجاب الدّعوات تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی معیت میں تمام تر غزوات میں شریک ہوتے ہیں راہِ خُدا کے پہلے تیر انداز ہیں خود رسول اللہ ﷺ آپ کو سالارِ لشکر مقرر فرما کر خرار کی جانب روانہ فرماتے ہیں آپ کے ہاتھ پر بہت سی فتوحات ہوئیں لیکن جب امارتِ کوفہ کے دوران

مصلائے امامت پہ کھڑے ہوتے ہیں تو کوفہ والوں کے اعتراضات کا محور بن جاتے ہیں

کوفہ والے حضرت عمر فاروقؓ کو شکایات بھجواتے ہیں اور ان میں ایک شکایت یہ بھی ہوتی ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے وہ شخص جس نے نماز اللہ کے نبی ﷺ سے سیکھی اس شخص کی نماز پر دیہاتیوں کا اعتراض......

بالکل آج کل جیسے حالات کا منظر پیش کر رہا ہے آج کے آئمہ نے نماز اگرچہ براہ راست رسول اللہ ﷺ سے نہیں سیکھی مگر رسول اللہ ﷺ کے اقوال سے سیکھی ہے ان علماء کو نشانۂ تنقید بنایا جاتا ہے۔

بہر حال! جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی شکایت حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتی ہے تو عمر فاروقؓ تحقیقِ احوال کے لیے کوفہ والوں کی طرف محمد بن مسلمہؓ اور عبد اللہ بن ارقمؓ کو بھیجتے ہیں جو ایک ایک مسجد میں جا کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بارے میں پوچھتے ہیں، حیرت کی بات ہے کہ شکایات کوفہ سے چل کر مدینہ پہنچیں لیکن محمد بن مسلمہؓ اور عبد اللہ بن ارقمؓ جس سے بھی سوال کرتے ہیں تو جواب میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی تعریف ہی سننے کو ملتی ہے ایک ایک مسجد میں جا کر پوچھا لیکن کسی کی طرف سے کوئی اعتراض موصول نہیں ہوا البتہ جب پوچھتے پوچھتے سلسلہ بنو عبس کی مسجد تک پہنچا تو صرف ایک شخص "اسامہ بن قتادۃ" نامی اٹھ کر حضرت سعد بن ابی

وقاصؓ کی شکایت کرتا ھے کہ آپ کی نماز ٹھیک نہیں، یہ جہاد کے سلسلے میں کوتاھی کرتے ہیں اور فیصلے میں عدل وانصاف سے کام نہیں لیتے، اعتراض کچھ بھی تھا لیکن یہاں انتہائی قابلِ توجہ بات یہ ھے کہ شکایات کوفہ سے مدینہ بھیجی گئیں لیکن کوفہ کی کسی مسجد میں ایک شخص کے علاوہ کوئی اعتراض کرنے والا نہیں ملتا یہ حقیقت تاریخ کا حصہ اور لائقِ اعتماد کتب میں موجود ہے کہ جانچ پڑتال کے دوران صرف ایک ہی ایسا آدمی ملا جسے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پر اعتراض تھا، لیکن شکایات مدینہ بھجوائی گئیں اور یہ تاثر دیا گیا کہ اگر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول نہ کیا گیا تو فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے اور پھر عمر فاروقؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر بھی دیا۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر یہ کہنا ہرگز بے جا نہ ہو گا کہ بعض اوقات صرف ایک دو افراد یا مقتدیوں کو امام سے شکایت ہوتی ہے لیکن ان کا پروپیگنڈہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ "یہ شخص اس منصب کے لائق نہیں"

میں اس مقام پر پروپیگنڈہ کرنے والوں کو دل کے کانوں سے متوجہ ھونے کی دعوت دوں گا اس میں شک نہیں کہ مجھ جیسے ائمہ مساجد لائقِ تعریف نہیں لیکن میرے بھائیو! کبھی آپ کی مسجد کا امام بے قصور بھی ہوتا ھے اور آپ کے اعتراضات بے

جا بھی ھوتے ہیں ایسی حالت میں اپنی "انا" کی تسکین کے بجائے اللہ تعالٰی کی پکڑ سے ڈرے اور ذہن میں رکھیے کہ:

جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے معترض کی ناحق باتیں سنی تھیں تو اپنے ہاتھ اللہ جلّ جلالہٗ کے دربار میں اُٹھا کر یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ عَبْدُکَ ھٰذَا کَاذِبًا قَامَ رِیَاءً وَسُمْعَۃً فَاَطِلْ عُمُرَہٗ وَاَطِلْ فَقْرَہٗ وَعَرِّضْہُ بِالْفِتَنِ

اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور نام ونمود کی خواہش میں اٹھا ہے تو اس کی عمر کو لمبا کر اس کی محتاجی میں اضافہ کر اور اسے فتنوں میں مبتلا کر۔

وقت گزر گیا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ معزول بھی ہو گئے پروپیگنڈہ جیت گیا لیکن سعد بن ابی وقاصؓ کی دُعا اللہ جلّ جلالہٗ کے ہاں محفوظ رہی اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ شخص انتہائی بڑھاپے کو پہنچا اس کی بھنویں آنکھوں پر گر چکی تھیں راستے میں کھڑے ہو کر بھیک مانگتا اور جب کوئی عورت سامنے سے گزرتی تو اس کے ساتھ چھیڑ خانی کرتا۔

لوگ کہتے: اے بوڑھے! تمہیں عورتوں کو چھیڑتے ہوئے حیاء نہیں آتی؟ جواب میں کہتا: میں کیا کروں؟ مجھ بڈھے کو سعد بن ابی وقاصؓ کی بد دعا لگ گئی ہے۔

(صحیح البخاري کتاب الأذان باب وجوب القراءۃ للإمام والمأموم: ۷۵۵)

آج کے دور کا کوئی امام حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسا تو نہیں لیکن کسی بھی مسلمان پر ناحق اعتراضات کرتے وقت اللہ تعالٰی کی پکڑ کو بھول جانا انتہائی بدنصیبی کی علامت ہے ہم اپنے پروپیگنڈہ میں جیت سکتے ہیں

لیکن اللہ جلّ جلالہٗ کے ہاں فیصلے حقائق کی بنیاد پر ہوتے ہیں ان فیصلوں سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالٰی ہمیں مسجدوں کے نظام میں بہتری لانے کی توفیق بخشے اور مسجد کے امام، خطیب اور انتظامیہ میں سے ہر ایک کو اپنی ذمہ داری سمجھنے اور اسے حتّٰی المقدور نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

ایمان لانے کا خوبصورت واقعہ

امریکہ کے ایک ہسپتال میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا اور اس واقعے کے زیر اثر امریکن ڈاکٹر مسلمان ہو گیا، مذکورہ ہسپتال میں ایک روز ڈلیوری کے دو کیس ایک ساتھ آئے، * ایک عورت سے لڑکا پیدا ہوا، اور دوسری سے لڑکی، جس رات میں ان دونوں بچوں کی ولادت ہوئی اتفاق سے نگران ڈاکٹر موقع پر موجود نہیں تھا، دونوں

بچوں کی کلائی میں وہ پٹی بھی نہیں باندھی ہوئی تھی جس پر بچے کی ماں کا نام درج ہوتا ہے، تو نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں بچے خلط ملط ہو گئے اور ڈاکٹروں کیلئے یہ شناخت کرنا مشکل ہو گیا کہ کس عورت کا کون سا بچہ ہے حالانکہ ان میں سے ایک لڑکی تھی اور دوسرا لڑکا... ولادت کی نگرانی کرنیوالے ڈاکٹروں کی ٹیم میں ایک مسلمان مصری ڈاکٹر تھا جس کو اپنے فن میں بڑی مہارت حاصل تھی اور امریکن ڈاکٹروں سے اس کی بڑی اچھی شناسائی تھی اور اپنے اسٹاف کے ایک امریکی ڈاکٹر سے گہری دوستی تھی، دونوں ڈاکٹرز سخت پریشان تھے کہ اس مشکل کا حل کیسے نکالا جائے۔۔۔؟

امریکی غیر مسلم ڈاکٹر نے مصری ڈاکٹر سے کہا کہ تم تو دعویٰ کرتے ہو کہ قرآن ہر چیز کی تبیین و تشریح کرتا ہے اور اس میں ہر طرح کے مسائل کا اِحاطہ کیا گیا ہے تو اب تم ہی بتاؤ کہ ان میں سے کون سا بچہ کس عورت کا ہے۔۔۔؟

مصری ڈاکٹر نے کہا کہ ہاں قرآن حکیم بے شک ہر معاملے میں نَص ہے اور میں اِسے آپ کو ثابت کر کے دکھاؤں گا، مگر مجھے ذرا موقع دیجئے کہ میں خود پہلے اس معاملے میں اطمینان حاصل کر لوں، چنانچہ مصری ڈاکٹر نے باقاعدہ اس مقصد کیلئے مصر کا سفر کیا اور جامعہ ازہر کے بعض شیوخ سے اس مسئلے میں استفسار کیا اور امریکن دوست ڈاکٹر کے ساتھ کی گئی بات چیت کی روداد بھی پیش کی، ازہری عالم نے جواب دیا کہ مجھے طبی معاملات و مسائل میں ادراک حاصل نہیں ہے، البتہ میں قرآن کی ایک آیت

پڑھتاہوں، آپ اس پر غور و فکر کریں، اللہ تعالیٰ نے چاہاتو آپ کو اس مسئلے کا حل اس میں مل جائے گا چنانچہ اس عالم نے درج ذیل آیت پڑھ کر سنائی، "* ترجمہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے" (النساء ۱۱) ۔

مصری ڈاکٹر نے اس آیت میں غور و تدبر شروع کر دیااور گہرائی میں جانے پر اسے اس مشکل کا حل بالآخر مل ہی گیا، چنانچہ وہ لوٹ کر امریکہ آیااور اپنے دوست ڈاکٹر کو اعتماد بھرے لہجے میں بتایا کہ قرآن نے ثابت کر دیا ہے کہ ان دونوں میں سے کون سا بچہ کس ماں کا ہے، امریکن ڈاکٹر نے بڑی حیرت سے پوچھا کہ یہ کس طرح ممکن ہے...؟

مصری ڈاکٹر نے کہا کہ ہمیں ان دونوں عورتوں کا دودھ ٹیسٹ کرنے کا موقع دیجئے تو اس معمے کا حل معلوم ہو جائے گا، چنانچہ تجزیئے و تحقیق کے نتیجے میں معلوم ہو گیا کہ کون سا بچہ کس عورت کا ہے اور مصری ڈاکٹر نے اپنے غیر مسلم دوست ڈاکٹر کو اس نتیجے سے پورے اعتماد کے ساتھ آگاہ کر دیا، ڈاکٹر حیران و ششدر تھا کہ آخر یہ کیسے معلوم ہو گیا...؟

مصری ڈاکٹر نے بتایا کہ اس تحقیق و تجزیئے کے نتیجے میں جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ تھی کہ لڑکے کی ماں میں لڑکی کی ماں کے مقابلے میں دوگنا دودھ پایا گیا مزید برآں لڑکے کی ماں کے دودھ میں نمکیات اور وٹامنز (حیاتین) کی مقدار بھی لڑکی کی ماں کے مقابلے میں دوگنی تھیں۔

پھر مصری ڈاکٹر نے امریکن ڈاکٹر کے سامنے قرآن کریم کی وہ متعلقہ آیت تلاوت کی (مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے) جس کے ذریعے اس نے اس مشکل کا حل تلاش کیا جس کام کو حل کرنے میں دونوں ڈاکٹر نہایت پریشان تھے، تو قرآن نے بتایا کہ عورت کے مقابلہ میں مرد کے دو حصے تو جس عوت کے پستان میں دودھ اور وٹامنز زیادہ مقدار میں تھے وہ لڑکے کی ماں تھی، جسمیں کم تھے وہ لڑکی کی ماں تھی، یوں فیصلہ ہو گیا، چنانچہ وہ امریکی ڈاکٹر فوراً ایمان لے آیا، سبحان اللہؑ

اللہ تعالیٰ کی فرانزک رپورٹ

ایک عرب نوجوان کا کہنا ہے کہ: میں کسی زمانہ میں ھالینڈ میں رہ رہا تھا، ایک دن جلدی میں ٹریفک قانون کی خلاف ورزی کر بیٹھا۔ بتی لال تھی اور سگنل کے آس پاس کوئی نہیں تھا، میں نے بھی بریک لگانے کی ضرورت محسوس نہ کی اور سیدھا نکل گیا۔ چند دن کے بعد میرے گھر پر ڈاک کے ذریعے سے اس خلاف ورزی "وائلیشن" کا ٹکٹ پہنچ گیا۔ جو اُس زمانے میں بھی ۱۵۰ یورو کے برابر تھا۔

ٹکٹ کے ساتھ لفافہ کے اندر ایک خط تھا، جس میں خلاف ورزی کی تاریخ اور جگہ کا نام دیا گیا تھا، اس خلاف ورزی کے بارے میں چند سوالات پوچھے گئے تھے، ساتھ یہ بھی کہا گیا تھا کہ آپ کو اس پر کوئی اعتراض تو نہیں؟

میں نے بلا توقف جواب لکھ بھیجا: جی ہاں، مجھے اعتراض ہے۔ کیوں کہ میں اس سڑک سے گزرا ہی نہیں اور نہ ہی میں نے اس خلاف ورزی کا ارتکاب کیا ہے۔

میں نے یہ جان بوجھ کر لکھا تھا اور یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ اس سے آگے میرے ساتھ کیا کرتے ہیں؟

میرے خط کے جواب میں لگ بھگ ایک ہفتے کے بعد محکمے کی طرف سے ایک جواب ملا۔ ان کے خط میں میری کار کی تین تصاویر بھی ساتھ ڈالی گئی تھیں۔ پہلی سگنل توڑنے سے پہلے کی تھی، دوسری میں میں گزر رہا تھا اور بتی لال تھی، تیسری میں میں چوک سے گزر چکا تھا اور بتی ابھی تک بھی لال تھی۔

یعنی سیدھا سادا معاملہ تھا، میں جرم کا مرتکب تھا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ میں مرتکب ہوا تھا اور بس۔ نہ بھاگنے کی گنجائش اور نہ مکر جانے کا سوال۔ چپکے سے اقرار نامہ لکھ بھیجا، جرمانہ ادا کیا اور چُپ ہو گیا۔

کچھ دنوں کے بعد تلاوت کرتے ہوئے، جب میں نے سورۂ جاثیہ کی یہ آیت شریفہ پڑھی۔ جس کا ترجمہ تھا : "یہ رہا ہمارا تیار کرایا ہوا اعمال نامہ،

جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک گواہیاں دے رہا ہے، جو کچھ بھی تم کرتے تھے، ہم اُسے لکھواتے جارہے تھے"

هَٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

﴿سورة الجاثية - ٢٩﴾ آیت کریمہ میں "**كُنَّا نَسْتَنسِخُ**، ہم فوٹو بنالیا کرتے تھے "یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس بھی فوٹو مشین ہے۔

خوف سے میرے جسم کے بال کھڑے ہوگئے تھے: یعنی بندے کی بنی ہوئی مشین سے تو میں بھاگ نہیں سکا، اللہ کی بنائی ہوئی مشین !!!! ساتھ ساتھ فوٹو بھی بناتی ہے ؟ کدھر ہو گا بھاگنے کا راستہ ؟ کونسا بنے گا بہانہ مکر جانے کا ؟

یعنی کہ ہمارے اعمال کی کاپی بنائی جارہی ہے ، کچھ بھی نہیں بھلایا جارہا، ہارڈ ڈسک کے خراب ہونے، میموری کے فارمیٹ ہو جانے، آندھی بارش طوفان کی وجہ سے کچھ خرابی پیدا ہونے کا کہیں بھی کوئی اندیشہ نہیں۔ کوئی ھیکر پہنچ نہ پائے کوئی وائرس خراب نہ کر پائے، ہائے یہ کیسا کمپیوٹر ریکارڈ ہو گا ؟

یا الٰھی ! سارے گناہ لکھوائے جارہے ہیں کیا؟ تاریخ کے ساتھ ؟ مقام اور جگہ کے ساتھ ؟ بیک گراؤنڈ کے ساتھ ؟ رنگین پرنٹ میں ؟ نشانی والے کپڑوں میں ؟ اسباب، متاب اور مال کی نشانیوں کے ساتھ ؟ مقاصد اور مطالب کے ساتھ ؟ آڈیو اور ویڈیو کے ساتھ ؟ ہائے ہم تو لُٹ گئے۔

اللہ نگاہوں کی چوری تک سے واقف ہے اور وہ راز تک جانتا ہے جو سینوں نے چھپا رکھے ہیں(سورۃ غافر19-)

ہائے افسوس !

یہ سب کچھ ہم پر پیش کر دیا جائیگا؟ اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا اس وقت تم دیکھوگے کہ مجرم لوگ اپنی کتاب زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی، یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہوگئی ہو جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ذرا ظلم نہ کرے گا(سورۃ الکھف 49) -

اس واقعہ میں ہم سب کے لیے زبردست نصیحت اور عبرت ہے۔۔۔

یہ ہے شانِ استغناء

خلیفہ عبدالملک بن مروان بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا- اسکی نظر ایک نوجوان پر پڑی- جس کا چہرہ بہت پُر وقار تھا- مگر وہ لباس سے مسکین لگ رہا تھا-

خلیفہ عبدالملک نے پوچھا-

یہ نوجوان کون ھے - تو اسے بتایا گیا- کہ اس نوجوان کا نام سالم ھے - اور یہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیٹا اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا پوتا ھے -

خلیفہ عبد الملک کو دھچکا لگا- اور اُس نے اِس نوجوان کو بلا بھیجا-

خلیفہ عبد الملک نے پوچھا کہ بیٹا میں تمہارے دادا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بڑا مداح ھوں - اور مجھے تمہاری یہ حالت دیکھ کر بڑا دکھ ھوا ھے اور مجھے خوشی ھوگی - اگر میں تمھارے کچھ کام آ سکوں - تم اپنی ضرورت بیان کرو - جو مانگو گے - تمہیں دیا جائے گا-

نوجوان نے جواب دیا * اے امیر المومنین! میں اس وقت اللہ کے گھر بیتُ اللہ میں ھوں اور مجھے شرم آتی ھے - کہ اللہ کے گھر میں بیٹھ کر کسی اور سے کچھ مانگوں۔ * خلیفہ عبدالملک نے اسکے پُر متانت چہرے پر نظر دوڑائی اور خاموش ھو گیا-

خلیفہ نے اپنے غلام سے کہا- کہ یہ نوجوان جیسے ہی عبادت سے فارغ ھو کر بیتُ اللہ سے باہر آئے - تو اسے میرے پاس لے کر آنا-

سالم بن عبداللہؒ بن عمرؓ جیسے ھی فارغ ھو کر حرمِ کعبہ سے باہر نکلے - تو غلام نے اُن سے کہا- کہ امیر المؤمنین نے آپکو یاد کیا ھے -

تو سالم بن عبداللہؒ خلیفہ کے پاس پہنچے -

خلیفہ عبدالملک نے کہا-

نوجوان! اب تو تم بیتُ اللہ میں نہیں ھو- اب اپنی حاجت بیان کرو- میرا دل چاھتا ھے- کہ میں تمہاری کچھ مدد کروں-

سالم بن عبداللہؓ نے کہا-

اے امیر المؤمنین! آپ میری کونسی ضرورت پوری کرسکتے ہیں- دنیاوی یا آخرت کی؟

امیر المؤمنین نے جواب دیا-

کہ میری دسترس میں تو دنیاوی مال و متاع ھی ھے- سالم بن عبداللہؓ نے جواب دیا-

* امیر المؤمنین دنیا تو میں نے کبھی اللہ سے بھی نہیں مانگی- جو اس دنیا کا مالکِ کُل ھے- آپ سے کیا مانگوں گا- میری ضرورت اور پریشانی تو صرف آخرت کے حوالے سے ھے- * اگر اس سلسلے میں آپ میری کچھ مدد کرسکتے ہیں- تو میں بیان کرتا ھوں-

خلیفہ حیران و ششدر ھو کر رہ گیا-

اور کہنے لگا- کہ نوجوان یہ تُو نہیں، تیرا خون بول رھا ھے-

خلیفہ عبدالملک کو حیران اور ششدر چھوڑ کر سالم بن عبداللہؓ علیہ رحمہ وہاں سے نکلے- اور حرم سے ملحقہ گلی میں داخل ھوئے اور نظروں سے اوجھل ھو گئے-

* یوں ایک نوجوان حاکمِ وقت کو آخرت کی تیاری کا بہت اچھا سبق دے گیا۔

دو بزرگ اور دو پرندے

حضرت شفیق بلخی اور حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہما اللہ کے درمیان سچی دوستی تھی، ایک مرتبہ شفیق بلخیؒ اپنے دوست ابراہیم بن ادہمؒ کے پاس آئے اور کہا کہ میں ایک تجارتی سفر پر جارہا ہوں، سوچا کہ جانے سے پہلے آپ سے ملاقات کرلوں، کیوں کہ اندازہ ہے کہ سفر میں کئی مہینے لگ جائیں گے، لیکن توقع کے خلاف چند ہی دنوں میں واپس لوٹ آئے اور جب حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے انھیں مسجد میں دیکھا، تو حیرت سے پوچھ بیٹھے: کیوں شفیق! اتنے جلدی لوٹ آئے؟

حضرت شفیق بلخیؒ نے جواب دیا: حضرت! میں کیا عرض کروں، راستے میں ایک حیرت انگیز منظر دیکھا اور الٹے پاوں ہی گھر لوٹ آیا، ہوا یوں کہ ایک غیر آباد جگہ پہنچا، وہیں میں نے آرام کے لیے پڑاو ڈالا، اچانک میری نظر ایک پرندے پر پڑی، جو نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ اڑ سکتا ہے، مجھے اس کو دیکھ کر ترس آیا، میں نے سوچا کہ اس ویران جگہ پر یہ پرندہ اپنی خوراک کیسے پاتا ہوگا، میں اسی سوچ میں تھا کہ اتنے میں ایک دوسرا پرندہ آیا ، اس نے اپنی چونچ میں کوئی چیز دبا رکھی تھی، اس نے آتے ہی وہ چیز معذور پرندے کے آگے ڈال دی اور معذور پرندے نے وہ چیز اٹھا کر کھالی، اس دوسرے پرندے نے اس طرح کئی پھیرے کیے، بالآخر اس معذور پرندے کا پیٹ بھر گیا، یہ منظر دیکھ

کر میں نے کہا: سبحان اللہ! جب اللہ تعالی اس ویران و سنسان جگہ پر ایک پرندے کا رزق اس کے پاس پہنچا سکتا ہے، تو مجھ کو رزق کے لیے شہر در شہر پھرنے کی کیا ضرورت ہے، چناں چہ میں نے آگے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں سے واپس چلا آیا۔

یہ سن کر حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے کہا: شفیق! تمھارے اس طرح سوچنے سے مجھے سخت مایوسی ہوئی، تم نے آخر اس معذور پرندے کی طرح بننا کیوں پسند کیا جس کی زندگی دوسروں کے سہارے چل رہی ہو؟ تم نے یہ کیوں نہیں چاہا کہ تمھاری مثال اس پرندے جیسی ہو، جو اپنا پیٹ بھی پالتا ہے اور دوسروں کا بھی پیٹ پالنے کے لیے کوشش کرتا ہے؟

حضرت شفیق بلخیؒ نے یہ سنا تو بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھے اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے ہاتھ کو چوم لیا اور کہا: ابو اسحاق! (یہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کہ کنیت ہے) تم نے میری آنکھیں کھول دیں، وہی بات صحیح ہے جو تم نے کہی ہے۔

اس واقعے سے ہمیں دو نصیحتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ زندگی میں ہم دوسروں کے لیے کبھی بوجھ نہ بنیں، اور دوسری یہ کہ ہم ہمیشہ دوسروں کے کام آئیں، پاکیزہ اور حلال روزی کما کر دوسروں کے لیے سہارا بنیں۔۔۔

آج کی ایک متاثر کن کہانی

استاد کی تنخواہ

* پکاسو * (پکاسو) سپین میں پیدا ہونے والا ایک بہت مشہور مصور تھا۔ اس کی پینٹنگز پوری دنیا میں کروڑوں اور اربوں روپے میں بک رہی تھیں!

ایک دن جب وہ سڑک پر چل رہا تھا تو ایک عورت کی نظر پکاسو پر پڑی اور اتفاق سے اس نے اسے پہچان لیا۔ وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی اور کہنے لگی، "جناب، میں آپ کی بہت بڑی مداح ہوں۔ مجھے آپ کی پینٹنگز بہت پسند ہیں۔ کیا آپ میرے لیے بھی پینٹنگ بنا سکتے ہیں؟"

پکاسو مسکرایا اور بولا، "میں یہاں خالی ہاتھ آیا ہوں۔ میرے پاس کوئی اوزار نہیں ہے۔ میں پھر کبھی تمہارے لیے پینٹنگ بناؤں گا۔"

لیکن عورت اب ضد کر رہی تھی۔ اس نے کہا، "مجھے ابھی ایک پینٹنگ بنانے دو۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتی کہ ہم دوبارہ کب ملیں گے۔"

پکاسو نے پھر اپنی جیب سے کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نکالا اور اپنے قلم سے کاغذ پر کچھ کھینچنے لگا۔ تقریباً دس منٹ میں پکاسو نے کاغذ پر ایک پینٹنگ بنائی، اسے عورت کے حوالے کیا اور کہا، "یہ پینٹنگ لے لو، تمہیں اس کے لیے ایک ملین ڈالر آسانی سے مل سکتے ہیں۔"

عورت بہت حیران ہوئی۔ اس نے اپنے آپ سے کہا، "اس پکاسو نے جلدی سے یہ قابل عمل پینٹنگ صرف ١٠ منٹ میں بنائی، اور یہ مجھے بتاتا ہے کہ یہ ایک ملین ڈالر کی پینٹنگ ہے۔" لیکن ایک لفظ کہے بغیر اس نے پینٹنگ اٹھائی اور خاموشی سے گھر آ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ پکاسو اسے بے وقوف بنا رہا ہے۔ وہ بازار گئی اور پکاسو کی بنائی ہوئی پینٹنگز کی قیمت دریافت کی۔ جب اسے پتہ چلا کہ پینٹنگ ایک ملین ڈالر تک حاصل کر سکتی ہے، تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

وہ دوبارہ پکاسو کے پاس بھاگی اور کہنے لگی، "جناب، آپ ٹھیک کہتے ہیں، ان تصویروں کی قیمت تقریباً ایک ملین ڈالر ہے۔"

پکاسو مسکرایا اور بولا، ”میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔

عورت نے کہا، "جناب، کیا آپ مجھے اپنا شاگرد بنائیں گے؟ مجھے پینٹ کرنا سکھائیں، میرا مطلب ہے کہ جس طرح آپ نے دس منٹ میں ایک ملین ڈالر کی پینٹنگ بنائی ہے، میں ۱۰ گھنٹے میں اچھی پینٹنگ بنا سکتی ہوں، اگر ۱۰ منٹ میں نہیں۔" اس طرح تم مجھے تیار کرو۔"

پکاسو مسکرایا اور بولا، "یہ پینٹنگ جو میں نے ۱۰ منٹ میں بنائی ہے اسے سیکھنے میں مجھے * تیس سال * لگے، میں نے اپنی زندگی کے تیس قیمتی سال اس کام میں گزارے ہیں۔

عورت چونک کر بولی۔ اس نے بس پکاسو کو دیکھا۔

ایک * استاد * کو ۴۰ منٹ کے لیکچر کے لیے ادا کی گئی تنخواہ، اوپر کی کہانی کے بارے میں بہت کچھ کہتی ہے۔ استاد کے ایک ایک جملے کے پیچھے اس کی کئی سالوں کی محنت ہوتی ہے۔

معاشرہ یہ سمجھتا ہے کہ * استاد * نے ہی بولنا ہے۔ بس اتنا ہی ملتا ہے۔ یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ آج دنیا میں جتنے لوگ باوقار عہدوں پر فائز ہیں، ان میں سے اکثر کسی نہ کسی * استاد * کی وجہ سے اس مقام تک پہنچے ہیں۔

اگر آپ بھی * استاد کی * تنخواہ کو مفت سمجھتے ہیں تو ایک وقت میں ۴۰ منٹ کا موثر اور بامعنی لیکچر دیں۔ آپ کو فوری طور پر احساس ہو جائے گا کہ آپ کتنے قابل ہیں!

* تمام قابل اساتذہ کے لیے وقف! *

کویت کا ایک سچا واقعہ

ایک بوڑھا آدمی عدالت میں داخل ہوا تاکہ اپنا مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کرے، قاضی نے پوچھا آپ کا مقدمہ کس کے خلاف ہے؟

بوڑھا: اپنے بیٹے کے خلاف۔

قاضی حیران ہوا اور پوچھا: کیا شکایت ہے؟

بوڑھا: میں اپنے بیٹے سے اس کی استطاعت کے مطابق ماہانہ خرچہ مانگ رہا ہوں۔

قاضی: یہ تو آپ کا اپنے بیٹے پر ایسا حق ہے کہ جس کیلیے دلائل سننے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

بوڑھے نے کہا قاضی صاحب! اس کے باوجود کہ میں مالدار ہوں اور پیسوں کا محتاج نہیں ہوں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنے بیٹے سے ماہانہ خرچہ وصول کرتا رہوں۔

قاضی حیرت میں پڑ گیا اور بوڑھے سے اس کے بیٹے کا نام اور پتہ لیکر اسے عدالت میں پیش ہونے کا حکم جاری کیا۔

بیٹا عدالت میں حاضر ہوا تو قاضی نے اس سے پوچھا: کیا یہ آپ کے والد ہیں ؟

بیٹا: جی ہاں ! یہ میرے والد ہیں۔

قاضی: انہوں نے آپ کے خلاف مقدمہ دائر کیا ہے کہ آپ ان کو ماہانہ خرچہ ادا کریں

بیٹے نے حیرت سے کہا، وہ مجھ سے خرچہ کیوں مانگ رہے ہیں، جبکہ وہ خود بہت مالدار ہیں اور انہیں میری مدد کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

قاضی: یہ آپ کے والد کا تقاضا ہے اور وہ اپنے تقاضے میں آزاد اور حق بجانب ہیں۔

بوڑھے نے کہا: قاضی صاحب! اگر آپ اس کو صرف ایک دینار ماہانہ ادا کرنے کا حکم دیں تو میں خوش ہو جاؤں گا، بشرطیکہ وہ یہ دینار مجھے اپنے ہاتھ سے ہر مہینے بلا تاخیر اور بلا واسطہ دیا کرے۔

قاضی نے کہا: بالکل ایسا ہی ہو گا یہ آپ کا حق ہے !

پھر قاضی نے حکم جاری کیا کہ فلان ابن فلان اپنے والد کو تاحیات ہر ماہ ایک دینار بلا تاخیر اپنے ہاتھ سے بلا واسطہ دیا کرے گا۔

کمرہ عدالت چھوڑنے سے پہلے قاضی نے بوڑھے باپ سے پوچھا کہ اگر آپ نے یہ مقدمہ دائر کیوں کیا، جبکہ آپ مالدار ہیں اور آپ نے بہت ہی معمولی رقم کا مطالبہ کیا؟

بوڑھے نے روتے ہوئے کہا: قاضی محترم! میں اپنے اس بیٹے کو دیکھنے کے لئے ترس رہا ہوں، اور اس کو اس کے کاموں نے اتنا مصروف کرر کھا ہے کہ میں ایک طویل زمانے سے اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا، جبکہ میں اپنے بیٹے سے بہت محبت کرتا ہوں، اور ہر وقت میرے دل میں اس کا خیال رہتا ہے، مگر یہ مجھ سے بات تک نہیں کرتا حتیٰ کہ ٹیلیفون پر بھی۔۔ میں اسے دیکھ سکوں؛ چاہے مہینہ میں ایک دفعہ ہی سہی، اس لیے میں نے یہ مقدمہ درج کیاہے۔

یہ سن کر قاضی بے ساختہ رونے لگا، پھر اس نے بوڑھے باپ سے کہا: اللہ کی قسم اگر آپ پہلے مجھے اس حقیقت سے اگاہ کرتے تو میں اس کو جیل بھیجتا اور کوڑے لگواتا، بوڑھے باپ نے مسکراتے ہوئے کہا: قاضی صاحب! آپ کا یہ حکم میرے دل کو بہت تکلیف دیتا۔ سبق: کاش اولاد جانتی کہ والدین کی دلوں میں اولاد کیلیے کتنی محبت ہے۔۔۔ جاگیے اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔

جو دوسروں کیلئے گڑھا کھودتے ہیں

دو عورتیں قاضی ابن ابی لیلی کی عدالت میں پہنچ گئیں، یہ اپنے زمانے کے مشہور و معروف قاضی تھے .

قاضی نے پوچھا تم دونوں میں سے کس نے بات پہلے کرنی ہے؟

ان میں سے بڑھی عمر والی خاتون نے دوسری سے کہا تم اپنی بات قاضی صاحب کے آگے رکھو.

وہ کہنے لگی قاضی صاحب یہ میری پھوپھی ہے میں اسے امی کہتی ہوں چونکہ میرے والد کے انتقال کے بعد اسی نے میری پرورش کی ہے یہاں تک کہ میں جوان ہو گئی.

قاضی نے پوچھا اس کے بعد ؟

وہ کہنے لگی پھر میرے چچا کے بیٹے نے منگنی کا پیغام بھیجا انہوں نے ان سے میری شادی کر دی، میری شادی کو کئی سال گزر گئے ازدواجی زندگی خوب گزر رہی تھی ایک دن میری یہ پھوپھی میرے گھر آئی اور میرے شوہر کو اپنی بیٹی سے دوسری شادی کی آفر کرلی ساتھ یہ شرط رکھ لی کہ پہلی بیوی (یعنی میں) کا معاملہ پھوپھی کے ہاتھ میں سونپ دے، میرے شوہر نے کنواری دوشیزہ سے شادی کے چکر میں شرط مان لی میرے شوہر کی دوسری شادی ہوئی سہاگ رات کو میری پھوپھی میرے پاس آئی اور مجھ سے کہا تمہارے شوہر کے ساتھ میں نے اپنی بیٹی بیاہ دی ہے تمہارا شوہر نے تمہارا معاملہ

میرے ہاتھ سونپ دیا ہے میں تجھے تیرے شوہر کی وکالت کرتے ہوئے طلاق دیتی ہوں.

جج صاحب میری طلاق ہو گئی.

کچھ عرصے بعد میری پھوپھی کا شوہر سفر سے تھکے ہارے پہنچ گیا وہ ایک شاعر اور حسن پرست انسان تھے میں بن سنور کر اس کے آگے بیٹھ گئی اور ان سے کہا کیا آپ مجھ سے شادی کریں گے؟ اسکی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا اس نے فوری ہاں کر لی، میں نے ان کے سامنے شرط رکھ لی کہ آپ کی پہلی بیوی (یعنی میری پھوپھی) کا معاملہ میرے ہاتھ سونپ دیں اس نے ایسا ہی کیا میں نے وکالت کا حق استعمال کرتے ہوئے پھوپھی کو طلاق دے ڈالی اور پھوپھی کے سابقہ شوہر سے شادی کر لی.

قاضی حیرت سے پھر؟

وہ کہنے لگی قاضی صاحب کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی.

کچھ عرصہ بعد میرے اس شاعر شوہر کا انتقال ہوا میری یہ پھوپھی وراثت کا مطالبہ کرتے پہنچ گئی میں نے ان سے کہا کہ میرے شوہر نے تمہیں اپنی زندگی میں طلاق دی تھی اب وراثت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے، جھگڑا طول پکڑا اس دوران میری عدت بھی گزر گئی ایک دن میری یہ پھوپھی اپنی بیٹی اور داماد (میرا سابقہ شوہر) کو لیکر میرے گھر آئی اور وراثت کے جھگڑے میں میرے اسی سابق شوہر کو ثالث بنایا اس نے مجھے

کئی سالوں بعد دیکھا تھا مرد اپنی پہلی محبت نہیں بھولتا ہے چنانچہ مجھ سے یوں مل کر اس کی پہلی محبت نے انگڑائی لی میں نے ان سے کہا کیا پھر مجھ سے شادی کروگے ؟

اس نے ہاں کرلی ، میں نے ان کے سامنے شرط رکھ لی کہ اپنی پہلی بیوی (میری پھوپھی کی بیٹی) کا معاملہ میرے ہاتھ میں دیں، اس نے ایسا ہی کیا.

میں نے اپنے سابق شوہر سے شادی کرلی اور اس کی بیوی کو شوہر کی وکالت کرتے ہوئے طلاق دے دی.

قاضی ابن ابی لیلی سر پکڑ کر بیٹھ گئے پھر پوچھا کہ اس کیس میں اب مسئلہ کیا ہے ؟

میری پھوپھی کہنے لگی:

قاضی صاحب کیا یہ حرام نہیں کہ میں اور میری بیٹی دونوں کی یہ لڑکی طلاق کرواچکی پھر میرا شوہر اور میری بیٹی کا شوہر بھی لے اڑی اسی پر بس نہیں دونوں شوہروں کی وراثت بھی اپنے نام کرلیا۔

قاضی ابن ابی لیلی کہنے لگے:

مجھے تو اس کیس میں حرام کہیں نظر نہیں آیا، طلاق بھی جائز ہے، وکالت بھی جائز ہے، طلاق کے بعد بیوی سابقہ شوہر کے پاس دوبارہ جاسکتی ہے بشرطیکہ درمیان میں کسی اور سے اس کی شادی ہو کر طلاق یا شوہر فوت ہوا ہو تمہاری کہانی میں بھی ایسا ہی ہوا ہے.

اس کے بعد قاضی نے خلیفہ منصور کو یہ واقعہ سنایا خلیفہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے اور کہا کہ جو کوئی اپنے بھائی کیلئے گڑھا کھودے گا خود اس گڑھے میں گرے گا یہ بڑھیا تو گڑھے کی بجائے گہرے سمندر میں گر گئی.

جب قبر کھلی تو میرا بچہ اپنی ماں کی گود میں بیٹھا کھیل رہا تھا

حضرت سیدنا زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

میرے والد نے بتایا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے درمیان جلوہ فرما تھے کہ اچانک ہمارے قریب سے ایک شخص گزرا جس نے اپنے بچے کو کندھوں پر بٹھا رکھا تھا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان باپ بیٹے کو دیکھا تو فرمایا:

"جتنی مشابہت ان دونوں میں پائی جا رہی ہے میں نے آج تک ایسی مشابہت اور کسی میں نہیں دیکھی۔"

یہ سن کراس شخص نے عرض کی:"اے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ !
میرے اس بچے کا واقعہ بہت عجیب وغریب ہے، اس کی ماں کے فوت ہونے کے بعد اس کی ولادت ہوئی ہے، " یہ سن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:" پوراواقعہ بیان کرو ۔"وہ شخص عرض کرنے لگا:

"اے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ !

میں جہاد کے لئے جانے لگاتواس کی والدہ حاملہ تھی، میں نے جاتے وقت دعا کی:
"اے اللہ عزوجل! میری زوجہ کے پیٹ میں جو حمل ہے میں اُسے تیرے حوالے کرتاہوں، تُوہی اس کی حفاظت فرمانا۔

یہ دعا کر کے میں جہاد کے لئے روانہ ہوا جب جہاد سے واپس آیاتو مجھے بتایا گیا کہ میری زوجہ کا انتقال ہو گیاہے، مجھے بہت افسوس ہوا۔ایک رات میں نے اپنے چچازاد بھائی سے کہا": مجھے میری بیوی کی قبر پر لے چلو۔

چنانچہ ہم جنت البقیع میں پہنچے اوراس نے میری بیوی کی قبر کی نشاندہی کی، جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ قبر سے روشنی کی کرنیں باہر آرہی ہیں، میں نے اپنے چچازاد بھائی سے کہا:

"یہ روشنی کیسی ہے۔۔۔؟ "

اس نے جواب دیا:

" اس قبر سے ہر رات اسی طرح روشنی ظاہر ہوتی ہے ، نہ جانے اس میں کیا راز ہے۔۔۔؟ 'جب میں نے یہ سنا تو ارادہ کیا کہ میں ضرور اس قبر کو کھود کر دیکھوں گا ۔"چنانچہ میں نے پھاؤڑا منگوایا ابھی قبر کھودنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ قبر خود بخود کھل گئی، جب میں نے اس میں جھانکا تو اللہ عزوجل کی قدرت کا کرشمہ نظر آیا کہ یہ میرا بچہ اپنی ماں کی گود میں بیٹھا کھیل رہا تھا جب میں قبر میں اُترا تو کسی ندا دینے والے نے ندا دی:

"تُونے جو امانت اللہ عزوجل کے پاس رکھی تھی وہ تجھے واپس کی جاتی ہے، جا! اپنے بچے کو لے جا، اگر تُو اس کی ماں کو بھی اللہ عزوجل کے سپرد کر جاتا تو اسے بھی صحیح وسلامت پاتا،

"پس میں نے اپنے بچے کو اٹھایا اور قبر سے باہر نکالا جیسے ہی میں قبر سے باہر نکلا قبر پہلے کی طرح دوبارہ بند ہو گئی۔

صحابیِ رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا بیٹا اللہ عزوجل کے سپرد کیا تو اللہ عزوجل نے اسے قبر میں بھی زندہ رکھا، اے اللہ عزوجل! ہم بھی اپنا ایمان تیرے سپرد کرتے ہیں تو ہمارے ایمان کی حفاظت فرمانا اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرمانا*

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

جب حضرت محمد ﷺ کے امتی نے حق کی خاطر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو تازہ کیا۔

حضرات تابعین رحمہم اللہ اجمعین میں سے ایک تابعی رحمہ اللہ کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو:

"حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ جن کا نام عبداللہ بن ثوب رضی اللہ عنہ ہے اور یہ امت محمدیہ (علی صاحبہا السلام) کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو اسی طرح بے اثر فرمادیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود کو گلزار بنادیا تھا۔ یہ یمن میں پیدا ہوئے تھے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں اسلام لا چکے تھے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری دور میں یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویدار اسود عنسی پیدا ہوا۔ جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے کے لئے مجبور کیا کرتا تھا۔ اسی دوران اس نے حضرت ابو

مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی، حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے انکار کیا پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ حضرت ابو مسلم نے فرمایا ہاں، اس پر اسود عنسی نے ایک خوفناک آگ دہکائی اور حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو اس آگ میں ڈال دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آگ کو بے اثر فرما دیا، اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔

یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسود عنسی اور اس کے رفقا پر ہیبت سی طاری ہو گئی اور اسود کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ ان کو جلاوطن کر دو، ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمہارے پیروؤں کے ایمان میں تزلزل نہ آجائے، چنانچہ انہیں یمن سے جلاوطن کر دیا گیا۔ یمن سے نکل کر ایک ہی جائے پناہ تھی، یعنی مدینہ منورہ، چنانچہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلے، لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آفتاب رسالتؐ روپوش ہو چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما چکے تھے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن چکے تھے، انہوں نے اپنی اونٹنی مسجد نبوی کے دروازے کے پاس بٹھائی اور اندر آکر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ انہوں نے ایک اجنبی مسافر کو نماز پڑھتے دیکھا تو ان کے پاس آئے اور جب وہ نماز سے فارغ

ہو گئے تو ان سے پوچھا: آپ کہاں سے آئے ہیں؟ یمن سے! حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً پوچھا: اللہ کے دشمن (اسود عنسی) نے ہمارے ایک دوست کو آگ میں ڈال دیا تھا، اور آگ نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا تھا، بعد میں ان صاحب کے ساتھ اسود نے کیا معاملہ کیا؟ حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کا نام عبد اللہ بن ثوب ہے۔ اتنی دیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست اپنا کام کر چکی تھی، انہوں نے فوراً فرمایا: میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ ہی وہ صاحب ہیں؟ حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''جی ہاں!'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرطِ مسرت و محبت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور انہیں لے کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے، انہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اور اپنے درمیان بٹھایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے موت سے پہلے امت محمدیہ ﷺ کے اس شخص کی زیارت کرادی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسا معاملہ فرمایا تھا۔ ''

(حلیۃ الاولیائ ص ۱۲۹، ج ۲، تہذیب ج ٦ ص ۴۵۸، تاریخ ابن عساکر ص ۳۱۵، ج ۷، جہاں دیدہ ص ۲۹۳ و ترجمان السنۃ ص ۳۴۱ ج ۴)

دانے دانے پہ لکھا ہوتا کھانے والے کا نام

مشہور عرب مفکر اور داعی ڈاکٹر علی طنطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات مجھے مصر میں متعین سابق افغان سفیر شیخ صادق مجیدی نے بتائی کہ وہ کابل میں تھے کہ وزارت خارجہ کی طرف سے حکم ہوا کہ فوری طور پر ایک ضروری کام سے روس چلا جائے۔

وہ تیار ہوئے لیکن یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ غیر مسلم ملک ہے وہاں ان کا ذبیحہ مجھ سے تو نہیں کھایا جائے گا گھر میں دو دیسی مرغیاں تھی بیگم نے ذبح کرا کے زاد سفر میں یہ کہتے رکھ دیا کہ جب تک ان سے کام چلتا ہے چلانا آگے کا اللہ پاک بندوبست کرے گا۔

وہ کہتے ہیں میں تاشقند پہنچا ہی تھا کہ وہاں کے ایک مسلمان شیخ نے گھر دعوت کی، میں ان کے گھر جانے کے لئے نکلا تھا کہ راستے میں ایک غریب عورت بھوک سے نڈھال اپنے بچوں کے ساتھ سڑک کنارے کھڑی تھی، میں نے بے اختیار وہ دونوں مرغیاں انہیں پکڑا دی۔

ابھی ایک گھنٹہ نہیں گزرا تھا کہ کابل سے تار آئی کہ وہ کام جس کے لئے آپ کو بھیجا تھا وہ ہو گیا آپ واپسی کی فلائیٹ پکڑ لیں۔

شیخ صادق مجیدی کہتے ہیں اس سفر کا مجھے کوئی اور مقصد سمجھ نہیں آیا سوائے اس بات کے میرے گھر دو مرغیاں تھیں جو ۴ ہزار کلو میٹر دور کسی غریب ماں اور بچوں کا رزق تھی، اللہ تعالی نے مجھے اس کام کے لئے افغانستان سے تاشقند بھیج دیا کہ چل اس غریب ماں اور اس کے بھوکے بچوں کو یہ رزق پہنچا آ۔

یاد رکھیں آپ کے نصیب کا لقمہ زمین کے جس حصے میں بھی ہو گا اللہ تعالی آپ تک پہنچائے گا۔

سلف سے حسن ظن رکھئے:

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے فرمایا :

آپ کو علمی ذوق اور مطالعہ کا شوق بھی ہے اسلامی لٹریچر پڑھتے ہیں ۔۔۔۔

ایک بات میں اپنے تجربے کی بنا پر کہتا ہوں کہ آپ سلف صالحین اور امت کے ان لوگوں سے جنہوں نے اپنے دائرہ میں دینی و ملی کام کیا ہے بدگمان نہ ہوں یہ بڑے خطرے کی بات ہے، یہ بات ہمارے ان بھائیوں میں بہت زیادہ پیدا ہوتی جا رہی ہے جن کا سارا انحصار مطالعہ پر ہے، وہ تنقیدی کتابیں اور مضامین پڑھتے ہیں تو ان کو ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ کسی نے اسلام پر مکمل کام ہی نہیں کیا، ان کتابوں کے اثر سے وہ

دینی خدمت کے ناپنے کے لئے ایک فیتہ بنالیتے ہیں جس سے وہ ہر مصلح اور مجدد کو ناپتے ہیں جیسے فوج میں بھرتی ہونے والے رنگروٹ ناپے جاتے ہیں یہ صحیح نہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ ان اللہ کے بندوں نے کن سخت حالات میں کام کیا۔ میں صاف کہتا ہوں کہ اسلام اب جو دنیا میں محفوظ ہے اور زندہ ہے اس میں سب کا حصہ ہے محدثین، فقہاء، صلحاء امت، اولیاء اللہ رحمہم اللہ سب کا اس میں حصہ ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ امام ابو حنیفہؒ کیا کرتے تھے؟ نماز روزے کے مسائل بتاتے تھے انہیں تو اسلامی خلافت و سلطنت قائم کرنی چاہئے تھی، تو صاحب خلافت تو قائم ہو جاتی لیکن آپ کو نماز پڑھنا کون سکھاتا؟ اور وہ خلافت کس کام کی جس میں نماز پڑھنا کسی کو نہ آتا ہو؟ یاد رکھیے!

سب لوگ اپنے امکان واستطاعت کے مطابق دین کی خدمت اور اس کی حفاظت میں لگے ہوئے تھے، کوئی وعظ کہہ رہا تھا کوئی تقریر کر رہا تھا، اور کوئی حدیث پڑھا رہا تھا، کوئی فتوے دے رہا تھا اور کوئی کتابیں لکھ رہا تھا، اپنی اپنی جگہ اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی تربیت کا کام کر رہے تھے اور ہر ایک نے الگ محاذ سنبھال رکھا تھا جن لوگوں نے اپنی جگہ بیٹھ کر اللہ کا نام سکھایا اور لوگوں کی تربیت کی ان کے کام کی تحقیر نہ کی جائے یہ کام انہوں نے کیا جن کو عرف عام میں صوفیائے کرام کہتے ہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ صوفیائے کرام نے کیا خدمت انجام دی؟ انہوں نے اسلامی معاشرے

کو زوال سے بچایا، اس کا میرے پاس ثبوت ہے۔ انہوں نے ایسا بنیادی کام کیا اگر وہ نہ کرتے تو مادیت کا یہ سیلاب لوگوں کو بہا کر لے جاتا اور تنکے کی طرح امت اسلامیہ بہتی، انہی کی وجہ سے لوگ رکے ہوئے تھے، اور ہوس رانی، نفس پرستی کا بازار گرم نہیں ہونے پاتا تھا، اور جو کوئی اس کا شکار ہو جاتا تھا تو فوراً اس میں احساس پیدا ہوتا تھا کہ ہم غلط کام کر رہے ہیں ان کے پاس آتا تھا، روتا تھا، استغفار کرتا تھا پھر یہ صوفیا و مشائخ کام کے آدمی بناتے تھے اور اپنی جگہ پر فٹ کرتے تھے۔

خدمتِ خلق اور یتیموں کی خبر گیری

ایک حاجی صاحب کا واقعہ ہے وہ کافی بیمار تھے۔ کئی سالوں سے ہر ہفتے پیٹ سے چار بوتل پانی نکلواتے تھے، اب ان کے گردے واش ہوتے ہوتے ختم ہو چکے تھے۔

ایک وقت میں آدھا سلائیس ان کی غذا تھی۔ سانس لینے میں بہت دشواری کا سامنا تھا۔ نقاہت اتنی کہ بغیر سہارے کے حاجت کیلیئے نہ جاسکتے تھے۔

ایک دن چوہدری صاحب ان کے ہاں تشریف لے گئے اور انہیں سہارے کے بغیر چلتے دیکھا تو بہت حیران ہوئے انہوں نے دور سے ہاتھ ہلا کر چوہدری صاحب کا استقبال

کیا' چہل قدمی کرتے کرتے حاجی صاحب نے دس چکر لان میں لگائے' پھر مسکرا کر ان کے سامنے بیٹھ گئے' ان کی گردن میں صحت مند لوگوں جیسا تناؤ تھا۔

چوہدری صاحب نے ان سے پوچھا کہ یہ معجزہ کیسے ہوا؟

کوئی دوا' کوئی دعا' کوئی پیتھی' کوئی تھراپی۔ آخر یہ کمال کس نے دکھایا۔

حاجی صاحب نے فرمایا میرے ہاتھ میں ایک ایسا نسخہ آیا ہے کہ اگر دنیا کو معلوم ہو جائے تو سارے ڈاکٹر' حکیم بیروزگار ہو جائیں۔

سارے ہسپتال بند ہو جائیں اور سارے میڈیکل سٹوروں پر تالے پڑ جائیں۔

چوہدری صاحب مزید حیران ہوئے کہ آخر ایسا کونسا نسخہ ہے جو ان کے ہاتھ آیا ہے۔

حاجی صاحب نے فرمایا کہ میرے ملازم کی والدہ فوت ہوگئی' میرے بیٹوں نے عارضی طور پر ایک چھ سات سالہ بچہ میری خدمت کیلئے دیا' میں نے ایک دن بچے سے پوچھا کہ آخر کس مجبوری کی بنا پر تمہیں اس عمر میں میری خدمت کرنا پڑی' بچہ پہلے تو خاموش رہا پھر سسکیاں بھر کر بولا کہ ایک دن میں گھر سے باہر تھا' میری امی' ابو' بھائی' بہن سب سیلاب میں بہہ گئے میرے مال مویشی ڈھور ڈنگر' زمین پر رشتہ داروں نے قبضہ کر لیا۔

اب دنیا میں میرا کوئی نہیں۔

اب دو وقت کی روٹی اور کپڑوں کے عوض آپ کی خدمت پر مامور ہوں۔

یہ سنتے ہی حاجی صاحب کا دل پسیج گیا اور پوچھا بیٹا کیا تم پڑھو گے بچے نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

حاجی صاحب نے منیجر سے کہا کہ اس بچے کو شہر کے سب سے اچھے سکول میں داخل کراؤ۔

بچے کا داخل ہونا تھا کہ اس کی دعاؤں نے اثر کیا' قدرت مہربان ہو گئی' میں نے تین سالوں کے بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا' سارے ڈاکٹر اور گھر والے حیران تھے۔

اگلے روز اس یتیم بچے کو ہاسٹل میں داخلہ دلوایا اور بغیر سہارے کے ٹائیلٹ تک چل کر گیا' میں نے منیجر سے کہا کہ شہر سے پانچ ایسے اور بچے ڈھونڈ کر لاؤ جن کا دنیا میں کوئی نہ ہو۔

پھر ایسے بچے لائے گئے انہیں بھی اسی سکول میں داخل کرا دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور آج میں بغیر سہارے کے چل رہا ہوں۔

سیر ہو کر کھا پی رہا ہوں اور قہقہے لگا رہا ہوں۔ حاجی صاحب سینہ پھلا کر گلاب کی کیاریوں کی طرف چل دیئے اور فرمایا میں اب نہیں گروں گا جب تک کہ یہ بچے اپنے قدموں پر کھڑے نہیں ہو جاتے۔

حاجی صاحب گلاب کی کیاریوں کے قریب رک گئے اور ایک عجیب فقرہ زبان پر لائے ''قدرت' یتیموں کو سائے دینے والے درختوں کے سائے لمبے کر دیا کرتی ہے۔

کسی کا پردہ فاش نہ کریں

ایک مصری عالم کا کہنا تھا کہ مجھے زندگی میں کسی نے لاجواب نہیں کیا سوائے ایک عورت کے جس کے ہاتھ میں ایک تھال تھا جو ایک کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا میں نے اس سے پوچھا تھال میں کیا چیز ہے۔

"وہ بولی اگر یہ بتانا ہوتا تو پھر ڈھانپنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"پس اس نے مجھے شرمندہ کر ڈالا"

یہ ایک دن کا حکیمانہ قول نہیں بلکہ ساری زندگی کی دانائی کی بات ہے۔

"کوئی بھی چیز چھپی ہو تو اس کے انکشاف کی کوشش نہ کرو۔"

کسی بھی شخص کا دوسرا چہرہ تلاش کرنے کی کوشش نہ کریں خواہ آپ کو یقین ہو کہ وہ بُرا ہے یہی کافی ہے کہ اس نے تمہارا احترام کیا اور اپنا بہتر چہرہ تمہارے سامنے پیش کیا بس اسی پر اکتفا کرو۔

ہم میں سے ہر کسی کا ایک بُرا رخ ہوتا ہے جس کو ہم خود اپنے آپ سے بھی چھپاتے ہیں۔

"اللہ تعالٰی دنیا و آخرت میں ہماری پردہ پوشی فرمائے" ورنہ جتنے ہم گناہ کرتے ہیں اگر ہمیں ایک دوسرے کا پتہ چل جائے تو ہم ایک دوسرے کو دفن بھی نہ کریں۔

جتنے گناہ ہم کرتے ہیں اس سے ہزار گنا زیادہ کریم رب ان پر پردے فرماتا ہے۔
"کوشش کریں کہ کسی کا عیب اگر معلوم بھی ہو تو بھی بات نہ کریں" آگے کہیں آپ کی وجہ سے اسے شرمندگی ہوئی تو کل قیامت کے دن اللہ پوچھ لے گا کہ جب میں اپنے بندے کی پردہ پوشی کرتا ہوں تو تم نے کیوں پردہ فاش کیا؟

سدا خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں ```

صدقات و خیرات ذخیرہ آخرت

جب موت آئے گی تو یقین جانیں کہ کچھ بھی کام نہ آئے گا۔

- آپ کے دنیا سے جانے پر کسی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔
- اور اس دنیا کے سب کام کاج جاری رہیں گے۔
- آپ کی ذمہ داریاں کوئی اور لے لے گا۔
- آپ کا مال وارثوں کی طرف چلا جائے گا۔
- اور آپ کو اس مال کا حساب دینا ہو گا۔

◈ موت کے وقت سب سے پہلی چیز جو آپ سے چلی جائے گی وہ نام ہو گا،

• لوگ کہیں گے کہ dead body کہاں ہے؟
• جب وہ جنازہ پڑھنا چاہیں گے تو کہیں گے کہ جنازہ لائیں۔
• جب دفن کرنا شروع کریں گے تو کہیں گے کہ میت کو قریب کر دیں۔
• آپ کا نام ہر گز نہ لیا جائے گا۔

❖ مال، حسب و نسب، منصب اور اولاد کے دھوکے میں نہ آئیں۔

❖ یہ دنیا کس قدر زیادہ حقیر ہے اور جس کی طرف ہم جا رہے ہیں وہ کس قدر عظیم ہے۔

❖ آپ پر غم کرنے والوں کی تین اقسام ہوں گی:

(۱)۔ جو لوگ آپ کو سر سری طور پر جانتے ہیں وہ کہیں گے ہائے مسکین! اللہ اس پر رحم کرے۔

(۲)۔ آپ کے دوست چند گھڑیاں یا چند دن غم کریں گے پھر وہ اپنی باتوں اور ہنسی مذاق کی طرف لوٹ جائیں گے۔

(۳)۔ آپ کے گھر کے افراد کا غم گہرا ہو گا، وہ کچھ ہفتے، کچھ مہینے یا ایک سال تک غم کریں گے اور اس کے بعد وہ آپ کو یاداشتوں کی ٹوکری میں ڈال دیں گے۔

❖ لوگوں کے درمیان آپ کی کہانی کا اختتام ہو جائے گا اور آپ کی حقیقی کہانی شروع ہو جائے گی اور وہ آخرت ہے۔

• آپ سے زائل ہو جائے گا آپ کا:

(۱)۔ حسن

(۲)۔مال

(۳)۔ صحت

(۴)۔ اولاد

(۵)۔ آپ اپنے مکانوں اور محلات سے دور ہو جائیں گے۔

(٦)۔شوہر بیوی سے اور بیوی شوہر سے جدا ہو جائے گی۔

• آپ کے ساتھ صرف آپ کا عمل باقی رہ جائے گا۔

* ⬘ یہاں یہ سوال پیدا ہو تا ہے کہ آپ نے اپنی قبر اور آخرت کے لیے ابھی سے کیا تیاری کی ہے؟

⬘ یہ وہ حقیقت ہے جو غور و فکر کی محتاج ہے اس لیے آپ اس کی طرف توجہ کریں:

(۱)۔ فرائض

(۲)۔ نوافل

(۳)۔ پوشیدہ صدقہ

(۴)۔اعلانیہ صدقہ بشرطیکہ نیت اللہ کی رضا ہو کیونکہ اعلانیہ صدقہ سے دوسرے لوگوں کو ترغیب ملتی ھے۔اور اس طرح کئی لوگ اس نیک کام میں شامل ہو جاتے ہیں

(۵)۔نیک اعمال

(٦)۔تہجد کی نماز

(۷)۔اور اچھے اخلاق کی طرف

•شاید کہ نجات ہو جائے!

۞ مرنے والے کو اگر دنیا میں واپس لوٹایا جائے تو وہ صدقہ کرنے کو ترجیح دے گا جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ...﴾ (المنافقون:۱۰)

اے میرے رب! تو نے مجھے قریب مدت تک مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا۔

•وہ یہ نہیں کہے گا کہ میں نماز ادا کرلوں یا میں روزہ رکھ لوں یا میں حج اور عمرہ کرلوں۔

•علماء کہتے ہیں کہ میت صرف صدقے کا ذکر اس لیے کرتی ہے کیونکہ وہ اپنی موت کے بعد اس کے عظیم اثرات دیکھتی ہے لہذا زیادہ سے زیادہ صدقات وخیرات کریں۔

۞ اور بہترین چیز جس کا آپ ابھی صدقہ کر سکتے ہیں وہ آپ کے وقت میں سے دس سیکنڈ ہیں۔ آپ خیر خواہی اور اخلاص کی نیت کے ساتھ اس تحریر کو دوسروں تک پہنچائیں کیونکہ اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے۔

◆ اگر آپ اس تحریر کے ذریعے لوگوں کو یاد دہانی کروانے کی کوشش کریں گے تو قیامت کے دن اسے اپنے ترازو میں پائیں گے:

* وَذَکِّرۡ فَاِنَّ الذِّکۡرٰی تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ * (الذاریات:۵۵) اور نصیحت کیجیے، کیونکہ یقینا نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے۔

بیوی ہو تو ایسی

دو ماہ سے کوئی میرے دروازے پر روزانہ کچرا پھینک کر چلا جاتا بڑی کوشش کے باوجود وہ پکڑ میں نہیں آیا۔

اہلیہ نے کہا کہ یقیناً یہ محلے کا کوئی ایسا بندہ ہے جو فجر کی نماز باقاعدگی سے پڑھتا ہو گا اور مسجد جاتے ہوئے یہ کارنامہ سرانجام دیتا جاتا ہو گا۔

اب مسئلہ تھا میرا اپنا میں پکا نہیں کچا مسلمان تھا روزانہ دس بجے اٹھ کر فجر قضا پڑھا کرتا تھا، بیس دن قبل میں نے اہلیہ سے فجر میں اٹھانے کا کہا، تو اہلیہ حیران کہ یہ آج سورج مشرق کے بجائے مغرب سے کیسے نکل رہا ہے۔

خیر انہوں نے مجھے اگلے روز فجر کے وقت اٹھادیا میں نے اٹھتے ہی کھڑکی سے نیچے جھانک کر دیکھا تو دروازے پر کچرا موجود نہیں تھا فٹافٹ وضو کیا کھڑکی کے پاس ہی مصلیٰ بچھایا اور دو رکعت سنت کھٹا کھٹ پڑھ کر پھر سے جھانک کر دیکھا تو کچرا دروازے پر پڑا میرا منہ چڑا رہا تھا، خیر پھر دو رکعت فرض پڑھ کر دوبارہ سو گیا۔

اگلے دن سنت کے بجائے فرض پڑھتے کچرا پھینک دیا گیا چار دن اِسی طرح گزر گئے لیکن کچرا پھینکنے والے کو پکڑ نہیں پایا پانچویں دن اہلیہ کہنے لگیں، ماشاء اللہ آپ اب فجر کی نماز پڑھنے لگے ہیں تو مسجد میں باجماعت نماز پڑھ لیا کیجئے۔

بات دل کو لگی اور پانچویں دن سنت گھر میں پڑھ کر جماعت سے پندرہ منٹ پہلے دروازے پر کرسی لگا کر بیٹھ گیا اور محلے کے نمازی حضرات کو آتے دیکھنے لگا کہ کس نمازی کے ہاتھ میں کچرے کا شاپر ہے لیکن افسوس سارے خالی ہاتھ آتے دکھائی دیے نماز پڑھ کر آیا تو دروازے پر کچرا موجود نہیں تھا، ایک ہفتے مسلسل پابندی سے باجماعت نماز پڑھنے کے بعد میں نے اہلیہ سے کہا بیگم اب کچرا پھینکنے والا شاید ڈر گیا ہے

جب ہی کچرا نہیں پھینک رہا اب آپ مجھے فجر کے وقت نہیں اٹھانا اہلیہ کچھ نہیں بولیں اگلے دن اہلیہ نے تو مجھے نہیں اٹھایا، البتہ میری خود آنکھ کھل گئی، کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو کچرا دروازے پر موجود تھا، ٹائم دیکھا تو فجر کا وقت تو باقی تھا، لیکن، جماعت نکل

چکی تھی، اب اگلے دن پھر وہی معمول تھا، دو ہفتے مسلسل فجر کی نماز باجماعت پڑھتا رہا اور دروازہ صاف ستھرا ملتا رہا دو ہفتے بعد اب میری جماعت سے فجر کی نماز پڑھنے کی عادت ہو چکی تھی اور الحمدللہ میں باجماعت فجر کی نماز پڑھنا شروع ہو گیا پھر کچھ دن بعد رات کے کھانے میں اُس کچرا پھینکنے والے کا ذکر آگیا میں اُسے برا بھلا کہنے لگا بیٹا بولا: ابو آپ اُسے برا تو نا کہیں بلکہ وہ تو آپ کا محسن ہے، جس کی وجہ سے آپ فجر کی نماز باجماعت پابندی سے پڑھنے لگے ہیں، بیٹے کی بات سن کر میرے دماغ کو جھٹکا سا لگا

اور سب کو غور سے دیکھنے لگا مجھے یوں اپنی طرف دیکھتے ہوئے سارے ہنسنے لگے، بیٹا کہنے لگا ابو آپ کی وہ محسن اور کوئی نہیں بلکہ امی ہیں آپ امی کا شکریہ ادا کیجیے، میں نے اہلیہ کو دیکھا تو کہنے لگیں، "جب گھی سیدھی انگلی سے نا نکلے تو ٹیڑھی انگلی سے نکالنا پڑتا ہے۔

یہ سبق ہے سب بیویوں کے لئیے کہ وہ چاہیں تو اپنی اولاد کے علاوہ اپنے خاوند کی بھی تربیت کر سکتی ہیں، ہاں اگر وہ خود تربیت یافتہ ہوں...

ایک علمی لطیفہ

ایک امام صاحب کو عربی داں گورنر نے کہا کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد تم بس ایک آیت ھی پڑھا کرو، کیونکہ امور سلطنت کی وجہ سے طویل نماز پڑھنا ہمارے لیے گراں ہے۔۔اس حکم کے فوری بعد مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا. نماز میں امام صاحب نے پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد آیت پڑھی ..

وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا (الاحزاب-67)

* اور وہ کہیں گے اے ھمارے رب ھم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی بات مانی تو انہوں نے ھمیں راستے سے بھٹکا دیا* .

اگلی رکعت میں امام صاحب نے سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الاحزاب کی اگلی آیت پڑھی

*ربنا آتهم ضعفين من العذاب والعنهم لعنا كبيرا. (الاحزاب*68 -

* اے ھمارے رب تو انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر تو بڑی لعنت کر* .

نماز ختم ھوئی تو عربی داں گورنر صاحب نے کہا* "امام صاحب آپ جو جی چاھے پڑھو، جتنا جی چاھے پڑھو بس ان دو آیتوں کے علاوہ*".

(یہ واقعہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے)

عمدہ مناجات

ایک بہت ھی گنہگار شخص حج ادا کرنے گیا وھاں کعبہ کا غلاف پکڑ کر بولا الٰہی اس گھر کی زیارت کو حج کہتے ہیں اور کلمہ حج میں دو حرف ہیں، "ح" سے تیرا حکم اور "ج" سے میرے جرم مراد ہیں۔ تو اپنے حکم سے میرے جرم معاف فرمادے۔

آواز آئی! اے میرے بندے تو نے کتنی عمدہ مناجات کی پھر کہو! وہ دوبارہ نئے انداز سے یوں بولا: اے میرے بخشن ہار! اے غفار! تیری مغفرت کا دریا گنہگاروں کی مغفرت و بخشش کیلیے پر جوش ہے اور تیری رحمت کا خزانہ ہر ایک کیلیئے کھلا ہے۔ الٰہی! اس گھر کی زیارت کو حج کہتے ہیں اور حج دو حرف پر مشتمل ہے ح" اور "ج۔ ح" سے میری حاجت اور ج" سے تیرا جُود و کرم ہے۔ تو اپنے جُود و کرم سے اس مسکین کی حاجت پوری فرمادے۔

آواز آئی اے میرے بندے تو نے کیا خوب حمد کی، پھر کہو۔ وہ پھر عرض کرنے لگا اے خالق کائنات! تیری ذات ہر عیب و نقص اور کمزوری سے پاک ہے تو نے اپنی

عافیت کا پردہ مسلمانوں پر ڈال رکھا ہے۔ میرے رب اس گھر کی زیارت کو حج کہتے ہیں حج کے دو حرف ہیں ح" اور "ج ح" سے اگر میری حلاوت ایمانی اور ج" سے تیرا جلال مراد ہے، تو تو اپنے جلال کی برکت سے اس ناتواں ضعیف بندے کے ایمان کی حلاوت کو شیطان سے محفوظ رکھنا۔

آواز آئی "اے میرے مخلص ترین عاشق و صادق بندے! تو نے میرے حکم میرے جودو کرم اور میرے جلال کے توسل سے جو کچھ طلب کیا ہے تجھے عطا فرمایا، ہمارا تو کام ہی مانگنے والے کا دامن بھر دینا ہے، مگر بات تو یہ ہے کوئی مانگے تو سہی، کسی کو مانگنے کا سلیقہ تو آتا ہو۔

اے اللہ ھم جیسے گنہگاروں کو بھی مانگنے کا سلیقہ اور توفیق عطا فرما.. آمین ثم آمین..

اختر شیرانی کا عشق رسول

اختر شیرانی اک بلانوش شرابی، محبت کا سخنور اور رومان کا تاجور تھا۔ لاہور کے ایک مشہور ہوٹل میں ایک دفعہ چند کمیونسٹ نوجوانوں نے جو بلا کے ذہین تھے رومانوی شاعر اختر شیرانی سے مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دی۔ وہ بلانوش تھے شراب کی دو

بوتلیں وہ اپنے حلق میں انڈیل چکے تھے، ہوش وحواس کھو چکے تھے تمام بدن پر رعشہ طاری تھا حتی کہ دم گفتار الفاظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر زباں سے نکل رہے تھے۔ ادھر اختر شیرانی کی انا کا شروع ہی سے یہ عالم تھا کہ اپنے سوا کسی کو مانتے نہیں تھے۔ نجانے کیا سوال زیر بحث تھا فرمایا ”مسلمانوں میں اب تک تین شخص ایسے پیدا ہوئے ہیں جو ہر اعتبار سے جینئیس (ذہن وفطین) بھی ہیں اور کامل فن بھی، پہلے ابوالفضل، دوسرے اسد اللہ خان غالب، تیسرے ابوالکلام آزاد۔۔ شاعر وہ شاذ ہی کسی کو مانتے تھے ہمعصر شعراء میں جو واقعی شاعر تھے انہیں بھی اپنے سے کمتر خیال کرتے تھے۔ کمیونسٹ نوجوانوں نے فیض کے بارے میں سوال کیا، طرح دے گئے۔۔۔ جوش کے متعلق پوچھا، کہا: وہ ناظم ہے۔۔۔ سردار جعفری کا نام لیا تو مسکرادیئے۔۔۔ فراق کا ذکر چھیڑا تو ہوں ہاں کر کے چپ ہو گئے۔۔۔ ساحر لدھیانوی کی بات کی، سامنے بیٹھا تھا، فرمایا: مشق کرنے دو۔۔۔ ظہیر کاشمیری کے بارے میں کہا: نام سنا ہے۔۔۔ احمد ندیم قاسمی؟ فرمایا: میرا شاگرد ہے۔۔۔

نوجوانوں نے جب دیکھا کہ ترقی پسند تحریک ہی کے منکر ہیں تو بحث کا رخ پھیر دیا۔ کہنے لگے حضرت فلاں پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آنکھیں مستی میں سرخ ہو رہی تھیں، نشے میں چور تھے، زباں پر قابو نہیں تھا لیکن چونک کر فرمایا: کیا بکتے ہو؟ ادب وانشاء یا شعر وشاعری کی بات کرو“۔۔۔ اس پر کسی نے فوراً ہی افلاطون

کی طرف رخ موڑ دیا کہ اس کے مکالمات کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ارسطو اور سقراط کے بارے میں سوال کیا مگر اس وقت وہ اپنے موڈ میں تھے فرمایا اجی! یہ پوچھو کہ ہم کون ہیں؟ یہ ارسطو افلاطون یا سقراط آج ہوتے تو ہمارے حلقے میں بیٹھتے۔ ہمیں ان سے کیا غرض کہ ہم ان کے بارے میں رائے دیتے پھریں۔

ان کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز سے شہ پا کر ایک ظالم کمیونسٹ نے چبھتا ہوا سوال کیا آپ کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا خیال ہے۔۔۔؟ اللہ اللہ! نشے میں چور اک شرابی۔۔۔ جیسے کوئی برق تڑپی ہو، بلور کا گلاس اٹھایا اور اسکے سر پر دے مارا۔ ۔۔بدبخت اک عاصی سے سوال کرتا ہے۔۔۔اک روسیاہ سے پوچھتا ہے۔۔۔اک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے۔۔۔؟ غصے سے تمام بدن کانپ رہا تھا، اچانک رونا شروع کر دیا حتی کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ ایسی حالت میں تم نے یہ نام کیوں لیا؟ تمہیں جرات کیسے ہوئی؟ گستاخ! بے ادب باخدا دیوانہ باش با محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوشیار اس شریر سوال پہ توبہ کرو میں تمہارے خبث باطن کو سمجھتا ہوں۔ خود قہر و غضب کی تصویر ہو گئے۔ اس نوجوان کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اس نے بات کو موڑنا چاہا مگر اختر کہاں سنتے تھے۔ اسے محفل سے نکال دیا پھر خود بھی اٹھ کر چل دیئے۔ ساری رات روتے رہے کہتے تھے ”یہ لوگ اتنے بے باک ہو گئے ہیں کہ ہمارا

آخری سہارا بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں، میں گنہگار ضرور ہوں لیکن یہ مجھے کافر بنا دینا چاہتے ہیں"۔

رات کے تاریک سناٹوں کی پیداوار لوگ میکدوں میں سیرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ نکتہ چیں۔

عادتیں نسلوں کا پتہ دیتی ہیں

ایک عربی واقعہ

ایک بادشاہ کے دربار میں ایک اجنبی نوکری کی طلب لئے حاضر ہوا، قابلیت پوچھی گئی، کہا: سیاسی ہوں۔۔۔۔۔ عربی میں سیاسی: افہام و تفہیم سے مسئلہ حل کرنے والے معاملہ فہم کو کہتے ہیں ، بادشاہ کے پاس سیاست دانوں کی بھر مار تھی، اسے خاص گھوڑوں کے اصطبل کا انچارج بنادیا۔

چند دن بعد بادشاہ نے اس سے اپنے سب سے مہنگے گھوڑے کے متعلق دریافت کیا

کہا: نسلی نہیں ہے،

بادشاہ کو تعجب ہوا، اس نے جنگل سے سائیس کو بلا کر دریافت کیا۔

اس نے بتایا: گھوڑا نسلی ہے لیکن اس کی پیدائش پر اس کی ماں مر گئی تھی، یہ ایک گائے کا دودھ پی کر اس کے ساتھ پلا ہے۔

سیاسی کو بلایا گیا، تم کو کیسے پتا چلا؟

کہا: جب یہ گھاس کھاتا ہے تو گائیوں کی طرح سر نیچے کر کے کھاتا ہے، جبکہ نسلی گھوڑا گھاس منہ میں لے کر سر اٹھالیتا ہے۔

بادشاہ اس کی فراست سے بہت متاثر ہوا، سیاسی کے گھر اناج، گھی، بھنے دنبے، اور پرندوں کا اعلی گوشت بطور انعام بھجوایا، اس کے ساتھ ساتھ اسے ملکہ کے محل میں تعینات کر دیا۔

چند دنوں بعد، بادشاہ نے مصاحب سے بیگم کے بارے رائے مانگی۔

کہا: طور واطوار تو ملکہ جیسے ہیں لیکن شہزادی نہیں ہے۔

بادشاہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، ساس کو بلا بیجھا، معاملہ اس کے گوش گذار کیا، ساس نے کہا: حقیقت یہ ہے تمہارے باپ نے میرے خاوند سے ہماری بیٹی کی پیدائش پر ہی رشتہ مانگ لیا تھا، لیکن ہماری بیٹی ٦ ماہ ہی میں فوت ہو گئی تھی، چنانچہ ہم نے بادشاہت سے قریبی تعلقات قائم رکھنے کے لئے کسی کی بچی کو اپنی بیٹی بنالیا۔

بادشاہ نے مصاحب سے دریافت کیا: تم کو کیسے علم ہوا؟

کہا اس کا خادموں کے ساتھ سلوک جاہلوں سے بد تر ہے۔

بادشاہ اس کی فراست سے خاصا متاثر ہوا اور بہت سا اناج، بھیڑ بکریاں بطور انعام دیں۔ ساتھ ہی اسے اپنے دربار میں متعین کر دیا۔

کچھ وقت گزرا، مصاحب کو بلایا، اپنے بارے دریافت کیا۔

مصاحب نے کہا: جان کی امان !

بادشاہ نے وعدہ کیا۔

مصاحب نے کہا: نہ تو تم بادشاہ زادے ہو نہ تمہارا چلن بادشاہوں والا ہے۔

بادشاہ کو تاؤ آ گیا، مگر جان کی امان دے چکا تھا۔

سیدھا والدہ کے محل پہنچا۔۔۔ والدہ نے کہا: یہ سچ ہے۔۔۔ تم ایک چرواہے کے بیٹے ہو، ہماری اولاد نہیں تھی تو تمہیں لے کر پالا !

بادشاہ نے مصاحب سے پوچھا: تمہیں کیسے علم ہوا؟

اس نے کہا: بادشاہ جب کسی کو انعام و اکرام دیا کرتے ھیں تو ہیرے موتی، جواہرات کی شکل میں دیتے ہیں، لیکن آپ بھیڑ، بکریاں، کھانے پینے کی چیزیں عنایت کرتے ہیں۔۔۔ یہ اسلوب بادشاہ زادے کا نہیں؛ کسی چرواہے کے بیٹے کا ہی ہو سکتا ہے۔

عادتیں نسلوں کا پتہ دیتی ہیں۔۔۔ عادات، اخلاق اور طرز عمل: خون اور نسل دونوں کی پہچان کرا دیتے ہیں۔

انسان زمینی مخلوق نہیں ہے

امریکی ایکولوجسٹ ڈاکٹر ایلس سِلور کی تہلکہ خیز ریسرچ :

ارتقاء (Evolution) کے نظریات کا جنازہ اٹھ گیا:

ارتقائی سائنسدان لاجواب:

انسان زمین کا ایلین ہے ۔

ڈاکٹر ایلیس سِلور (Ellis Silver) نے اپنی کتاب (Humans are not from Earth) میں تہلکہ خیز دعوی کیا ہے کہ انسان اس سیارے زمین کا اصل رہائشی نہیں ہے بلکہ اسے کسی دوسرے سیارے پر تخلیق کیا گیا اور کسی وجہ سے اس کے اصل سیارے سے اس کے موجودہ رہائشی سیارے زمین پر پھینک دیا گیا۔

ڈاکٹر ایلیس جو کہ ایک سائنسدان محقق مصنف اور امریکہ کا نامور کالوجسٹ (Ecologist) ھے اس کی کتاب میں اس کے الفاظ پر غور کیجئیے۔ زھن میں رھے کہ یہ الفاظ ایک سائنسدان کے ہیں جو کسی مذھب پر یقین نہیں رکھتا۔

اس کا کہنا ھے کہ انسان جس ماحول میں پہلی بار تخلیق کیا گیا اور جہاں یہ رھتا رھا ھے وہ سیارہ، وہ جگہ اس قدر آرام دہ پرسکون اور مناسب ماحول والی تھی جسے وی وی آئی پی کہا جا سکتا ھے وہاں پر انسان بہت ھی نرم و نازک ماحول میں رھتا تھا اس کی نازک مزاجی اور آرام پرست طبیعت سے معلوم ھوتا ھے کہ اسے اپنی روٹی روزی کے لئے

کچھ بھی تردد نہین کرنا پڑتا تھا، یہ کوئی بہت ہی لاڈلی مخلوق تھی جسے اتنی لگژری لائف میسر تھی۔۔ وہ ماحول ایسا تھا جہاں سردی اور گرمی کی بجائے بہار جیسا موسم رہتا تھا اور وہاں پر سورج جیسے خطرناک ستارے کی تیز دھوپ اور الٹراوائلیٹ شعاعیں بالکل نہیں تھیں جو اس کی برداشت سے باھر اور تکلیف دہ ھوتی ہیں۔

تب اس مخلوق انسان سے کوئی غلطی ہوئی۔۔ اس کو کسی غلطی کی وجہ سے اس آرام دہ اور عیاشی کے ماحول سے نکال کر پھینک دیا گیا تھا۔ جس نے انسان کو اس سیارے سے نکالا لگتا ہے وہ کوئی انتہائی طاقتور ہستی تھی جس کے کنٹرول میں سیاروں ستاروں کا نظام بھی تھا۔۔۔ وہ جسے چاہتا، جس سیارے پر چاہتا، سزا یا جزا کے طور پر کسی کو بھجوا سکتا تھا۔ وہ مخلوقات کو پیدا کرنے پر بھی قادر تھا۔

ڈاکٹر سلور کا کہنا ہے کہ ممکن ہے زمین کسی ایسی جگہ کی مانند تھی جسے جیل قرار دیا جاسکتا ھے۔ یہاں پر صرف مجرموں کو سزا کے طور پر بھیجا جاتا ہو۔ کیونکہ زمین کی شکل۔۔ کالا پانی جیل کی طرح ہے۔۔۔ خشکی کے ایک ایسے ٹکڑے کی شکل جس کے چاروں طرف سمندر ہی سمندر رھے، وہاں انسان کو بھیج دیا گیا۔

ڈاکٹر سلور ایک سائنٹسٹ ہے جو صرف مشاہدات کے نتائج حاصل کرنے بعد رائے قائم کرتا ہے۔ اس کی کتاب میں سائنسی دلائل کا ایک انبار ہے جن سے انکار ممکن نہیں۔

اس کے دلائل کی بڑی بنیاد جن پوائنٹس پر ھے ان میں سے چند ایک ثابت شدہ یہ ہیں۔

نمبر ایک۔ زمین کی کش ثقل اور جہاں سے انسان آیا ہے اس جگہ کی کشش ثقل میں بہت زیادہ فرق ہے۔ جس سیارے سے انسان آیا ہے وہاں کی کشش ثقل زمین سے بہت کم تھی، جس کی وجہ سے انسان کے لئے چلنا پھرنا بوجھ اٹھاوغیرہ بہت آسان تھا۔ انسانوں کے اندر کمر درد کی شکایت زیادہ گریوٹی کی وجہ سے ہے ۔

نمبر دو؛انسان میں جتنے دائمی امراض پائے جاتے ہیں وہ باقی کسی ایک بھی مخلوق میں نہیں جو زمین پر بس رہی ہے۔ڈاکٹر ایلیس لکھتاہے کہ آپ اس روئے زمین پر ایک بھی ایسا انسان دکھادیجئیے جسے کوئی ایک بھی بیماری نہ ہو تو میں اپنے دعوے سے دستبر دار ہو سکتاہوں جبکہ میں آپ کو ھر جانور کے بارے میں بتا سکتاہوں کہ وہ وقتی اور عارضی بیماریوں کو چھوڑ کر کسی ایک بھی مرض میں ایک بھی جانور گرفتار نہیں ہے ۔

نمبر تین؛ایک بھی انسان زیادہ دیر تک دھوپ میں بیٹھنا برداشت نہیں کر سکتا بلکہ کچھ ہی دیر بعد اس کو چکر آنے لگتے ہیں اور سن سٹروک کا شکار ہو سکتا ہے جبکہ جانوروں میں ایسا کوئی ایشو نہیں ھے مہینوں دھوپ میں رھنے کے باوجود جانور نہ تو کسی جلدی بیماری کا شکار ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی اور طرح کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں جس کا تعلق سورج کی تیز شعاعوں یا دھوپ سے ہو۔

نمبر چار؛ ہر انسان یہی محسوس کرتا ہے اور ہر وقت اسے احساس رہتا ہے کہ اس کا گھر اس سیارے پر نہیں۔ کبھی کبھی اس پر بلاوجہ ایسی اداسی طاری ہو جاتی ہے جیسی کسی پردیس میں رہنے والے پر ہوتی ہے چاہے وہ بیشک اپنے گھر میں اپنے قریبی خونی رشتے داروں کے پاس ہی کیوں نا بیٹھا ہوں۔

نمبر پانچ زمین پر رہنے والی تمام مخلوقات کا ٹمپریچر آٹومیٹک طریقے سے ہر سیکنڈ بعد ریگولیٹ ہوتا رہتا ہے یعنی اگر سخت اور تیز دھوپ ھے تو ان کے جسم کا درجہ حرارت خودکار طریقے سے ریگولیٹ ہو جائے گا، جبکہ اسی وقت اگر بادل آجاتے ہیں تو ان کے جسم کا ٹمپریچر سائے کے مطابق ہو جائے گا جبکہ انسان کا ایسا کوئی سسٹم نہیں بلکہ انسان بدلتے موسم اور ماحول کے ساتھ بیمار ھونے لگ جائے گا۔ موسمی بخار کا لفظ صرف انسانوں میں ھے۔

نمبر چھ ؛انسان اس سیارے پر پائے جانے والے دوسرے جانداروں سے بہت مختلف ہے ۔ اسکا ڈی این اے اور جینز کی تعداد اس سیارہ زمین پہ جانے والے دوسرے جانداروں سے بہت مختلف اور بہت زیادہ ہے۔

نمبر سات: زمین کے اصل رہائشی (جانوروں) کو اپنی غذا حاصل کرنا اور اسے کھانا مشکل نہیں، وہ ہر غذا ڈائریکٹ کھاتے ہیں، جبکہ انسان کو اپنی غذا کے چند لقمے حاصل کرنے کیلیئے ہزاروں جتن کرنا پڑتے ہیں، پہلے چیزوں کو پکا کر نرم کرنا پڑتا ھے پھر اس

کے معدہ اور جسم کے مطابق وہ غذا استعمال کے قابل ھوتی ھے، اس سے بھی ظاہر ھوتا ھے کہ انسان زمین کا رہنے والا نہیں ھے۔ جب یہ اپنے اصل سیارے پر تھا تو وہاں اسے کھانا پکانے کا جھنجٹ نہیں اٹھانا پڑتا تھا بلکہ ہر چیز کو ڈائریکٹ غذا کیلیئے استعمال کرتا تھا۔

مزید یہ اکیلا دو پاؤں پر چلنے والا ھے جو اس کے یہاں پر ایلین ھونے کی نشانی ھے۔

نمبر آٹھ: انسان کو زمین پر رہنے کیلیے بہت نرم و گداز بستر کی ضرورت ھوتی ھے جبکہ زمین کے اصل باسیوں یعنی جانوروں کو اس طرح نرم بستر کی ضرورت نہیں ھوتی۔ یہ اس چیز کی علامت ھے کہ انسان کے اصل سیارے پر سونے اور آرام کرنے کی جگہ انتہائی نرم و نازک تھی جو اس کے جسم کی نازکی کے مطابق تھی ۔

نمبر نو: انسان زمین کے سب باسیوں سے بالکل الگ ھے لہذا یہ یہاں پر کسی بھی جانور (بندر یا چمپینزی وغیرہ) کی ارتقائی شکل نہیں ھے بلکہ اسے کسی اور سیارے سے زمین پر کوئی اور مخلوق لا کر پھینک گئی ھے ۔

انسان کو جس اصل سیارے پر تخلیق کیا گیا تھا وہاں زمین جیسا گندا ماحول نہیں تھا، اس کی نرم و نازک جلد جو زمین کے سورج کی دھوپ میں جھلس کر سیاہ ہو جاتی ہے اس کے پیدائشی سیارے کے مطابق بالکل مناسب بنائی گئی تھی۔ یہ اتنا نازک مزاج تھا کہ زمین پر آنے کے بعد بھی اپنی نازک مزاجی کے مطابق ماحول پیدا کرنے کی کوششوں میں

رھتاھے۔ جس طرح اسے اپنے سیارے پر آرام دہ اور پر تعیش بستر پر سونے کی عادت تھی وہ زمین پر آنے کے بعد بھی اسی کے لئے اب بھی کوشش کرتاھے کہ زیادہ سے زیادہ آرام دہ زندگی گزار سکوں۔ جیسے خوبصورت قیمتی اور مضبوط محلات مکانات اسے وہاں اس کے ماں باپ کو میسر تھے وہ اب بھی انہی جیسے بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ باقی سب جانور اور مخلوقات اس سے بے نیاز ہیں۔ یہاں زمین کی مخلوقات عقل سے عاری اور تھرڈ کلاس زندگی کی عادی ہیں جن کو نہ اچھا سوچنے کی توفیق ہے نہ اچھا رہنے کی اور نہ ہی امن سکون سے رھنے کی۔ انسان ان مخلوقات کو دیکھ دیکھ کر خونخوار ہو گیا۔ جبکہ اس کی اصلیت محبت فنون لطیفہ اور امن وسکون کی زندگی تھی۔۔ یہ ایک ایسا قیدی ہے جسے سزا کے طور پر تھرڈ کلاس سیارے پر بھیج دیا گیا تاکہ اپنی سزا کا دورانیہ گزار کر واپس آجائے۔ڈاکٹر ایلیس کا کہنا ہے کہ انسان کی عقل و شعور اور ترقی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ایلین کے والدین کو اپنے سیارے سے زمین پر آئے ہوئے کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا، ابھی کچھ ہزار سال ہی گزرے ہیں یہ ابھی اپنی زندگی کو اپنے پرانے سیارے کی طرح لگژری بنانے کے لئے بھرپور کوشش کر رہا ہے، کبھی گاڑیاں ایجاد کرتا ہے، کبھی موبائل فون اگر اسے آئے ہوئے چند لاکھ بھی گزرے ہوتے تو یہ جو آج ایجادات نظر آرہی ہیں یہ ہزاروں سال پہلے وجود میں آچکی ہوتیں، کیونکہ میں

اور تم اتنے گئے گزرے نہیں کہ لاکھوں سال تک جانوروں کی طرح بیچارگی اور ترس کی زندگی گزارتے رہتے۔

ڈاکٹر ایلیس سِلور کی کتاب میں اس حوالے سے بہت کچھ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے دلائل کو ابھی تک کوئی جھوٹا نہیں ثابت کر سکا۔۔

میں اس کے سائنسی دلائل اور مفروضوں پر غور کر رہا تھا۔۔ یہ کہانی ایک سائنسدان بیان کر رہا ھے یہ کوئی کہانی نہیں بلکہ حقیقی داستان ہے جسے انسانوں کی ہر الہامی کتاب میں بالکل اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ میں اس پر اس لئے تفصیل نہیں لکھوں گا کیونکہ آپ سبھی اپنے باپ آدمؑ اور حواؑ کے قصے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔۔ سائنس اللہ کی طرف چل پڑی ہے۔۔ سائنسدان وہ سب کہنے پر مجبور ھو گئے ہیں جو انبیاء کرام اپنی نسلوں کو بتاتے رہے تھے۔ میں نے نسل انسانی پر لکھنا شروع کیا تھا۔ اب اس تحریر کے بعد میں اس سلسلے کو بہتر انداز میں آگے بڑھا سکوں گا۔۔

ارتقاء کے نظریات کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔۔ اب انسانوں کی سوچ کی سمت درست ہو رہی ھے۔۔ یہ سیارہ ہمارا نہین ہے۔ یہ میں نہیں کہتا بلکہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بیشمار بار بتا دیا تھا۔ اللہ پاک نے اپنی عظیم کتاب قران حکیم میں بھی بار بار لاتعداد مرتبہ یہی بتا دیا کہ اے انسانوں یہ دنیا کی زندگی تمہاری آزمائش کی جگہ ہے۔ جہاں سے تم کو تمہارے اعمال کے مطابق سزا و جزا ملے گی ۔

قرآن مجید اور مسلمانوں کی حالت

پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک شکاری پرندے پکڑ کر بازار میں چند داموں کے عوض فروخت کرتا تھا، ایک دن اس بازار میں ایک نیک دل آدمی کا گزر ہوا تو اس نے سوچا کہ ان آزاد پرندوں کو قید کرنا تو بہت بڑا گناہ ہے، اس لئے اس نے ان پرندوں کو آزاد کرنے کا سوچا اور شکاری سے سارے پرندے خرید لئے، لیکن آزاد کرنے سے پہلے اس نے سوچا کہ یہ شکاری تو پھر ان پرندوں کو پکڑ کر قید کرلے گا، اس لئے وہ سب پرندوں کو گھر لے گیا اور وہاں ان کو چند الفاظ سکھانے شروع کئے کہ ہم سیر کرنے باغ نہیں جائیں گے، اگر باغ گئے تو شاخ پر نہیں بیٹھیں گے اور اگر شاخ پر بھی بیٹھ گئے تو جیسے ہی شکاری آئے گا ہم اڑ جائیں گے، ایک عرصہ محنت کے بعد وہ نیک دل آدمی اپنی اس محنت میں کامیاب ہوا اور پرندے وہ بولی بولنے لگے، نیک دل آدمی بہت خوش ہوا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور اس نے ایک ایک کرکے سارے پرندے

آزاد کر دیئے، اب ہوا یوں کہ دوسرے دن صبح سویرے جب شکاری باغ میں پرندے پکڑنے گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ پرندے شاخوں پر بیٹھے گنگنا رہے تھے کہ ہم سیر کرنے باغ نہیں جائیں گے اور اگر باغ گئے تو شاخ پر نہیں بیٹھیں گے اور اگر شاخ پر بیٹھ گئے تو جیسے ہی شکاری آئے گا ہم اڑ جائیں گے، شکاری یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ اب تو ان پرندوں کی وہ منہ مانگی قیمت وصول کر سکے گا اور یوں اس نے وہ پرندے پکڑ کر مہنگے داموں فروخت کر دیئے، پرندوں نے تو صرف الفاظ رَٹ لئے تھے ان کو کیا معلوم تھا کہ باغ کیا چیز ہے۔۔۔؟ شاخ کیا ہوتی ہے۔۔۔؟ اور شکاری کس بلا کا نام ہوتا ہے۔۔۔؟ اور اڑنا کسے کہتے ہیں۔۔۔؟

* ہم مسلمانوں کا بھی آج کل یہی حال ہے، قران کو ہم سمجھتے نہیں تو سینوں میں کیسے اترے گا۔۔۔۔؟ بس رَٹے رٹائے الفاظ ہیں جسے ہم نماز میں پڑھتے ہیں، برکت کے لئے پڑتے ہیں، مصیبت کے آنے پر اور سفر پر جانے سے پہلے اور رمضان کے روزوں میں خالص ثواب کی نیت سے ہم ان رٹے ہوئے الفاظ کا وِرد کرتے ہیں، ان پرندوں کی طرح ہمیں بھی قانون کے اس کتاب کی سمجھ ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہم سے کیا مطالبات کئے ہیں۔۔۔؟

کون سے احکامات دیئے ہیں اور کن چیزوں سے روکا ہے۔۔؟کامیابی کے رموز کیا ہیں اور خسارے کا راستہ کون سا ہے۔۔۔؟ ہمارا دوست کون ہے اور ہمارا دشمن کون ہے۔۔۔؟

جب یہ حال ہو گا تو شکاری (باطل قوتیں) ہمیں دیکھ کر خوش بھی ہو گا اور اپنا غلام بھی بنائے گا، ہمیں بحیثیت مسلمان اپنے آپ پر غور کرنا چاہئے اور آج سے ہی قرآن مجید کو خود بھی پڑھنا شروع کر دینا چاہئے اور اپنے بچوں کی پڑھائی کا بھی لازمی حصہ بنانا چاہئے، اور اپنے بچوں کی زندگی سواریں،،

حرم سرا داڑھی والوں کو کیوں نہیں چھیڑتے؟

ممبئ سے گورکھپور کے لئے میں ٹرین پر سوار ہوا، گاڑی روانہ ہوئی، وِرار جنکشن پر کچھ حرم سرا (مخنث یا ہیجڑے) سوار ہوئے، اور یہیں سے وہ عام طور پر سوار ہوا کرتے ہیں، وہ سب کے پاس جاتے، تالی بجاتے اور پیسے مانگتے، مگر انہوں نے مجھے اور ڈبے میں موجود ایک اور داڑھی والے بوڑھے چچا کو کچھ نہیں کیا، ایک سوٹیڈ بوٹیڈ کلین شیو

نوجوان سے رہا نہیں گیا اور وہ پوچھ بیٹھا کہ آپ لوگ داڑھی والوں کو کیوں تنگ نہیں کرتے؟

مخنث نے کہا کہ کیا واقعی تم اس سوال کا جواب جاننا چاہتے ہو؟

نوجوان نے کہا ہاں !

اس نے کہا تو پھر مجھے بیٹھنے کی جگہ دو!

ہم نے اس کے لئے جگہ بنائی اور وہ میرے پاس ہی بیٹھ گیا۔ پھر اس نے نوجوان کو مخاطب کر کے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا یہ مرد ہیں! پھر اس نے دور بیٹھی ہوئی ایک خاتون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا وہ کون ہے؟ نوجوان نے جواب دیا عورت! پھر اس نے پوچھا کہ دونوں میں کیا فرق ہے؟ نوجوان بولا اِن کے چہرے پر داڑھی ہے اور اُس کے چہرے پر داڑھی نہیں ہے، اب اس نے نوجوان سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا مرد! مخنث بولا مگر تمہارے چہرے پر بھی تو داڑھی نہیں ہے؟!.......... نوجوان بولا: میں نے شیو کر لیا ہے، مخنث نے کہا: قدرت نے تمہیں مرد پیدا کیا مگر تم نے مرد کی نشانی اپنے چہرے سے ہٹا دی، اب تم نہ مرد رہے نا ہ عورت، یعنی کہ تم بھی اپنی مرضی سے بیچ والے بن گئے، حالانکہ قدرت نے تمہیں بیچ والا نہیں بنایا، تم زبردستی ہماری جماعت میں شامل ہو رہے ہو تو اس کا جرمانہ تو تمہیں بھرنا ہی پڑے گا، وہی ہم تم سے وصول کرتے ہیں۔

اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور چلا گیا۔۔۔۔وہ نوجوان بیچارہ اتنا شرمندہ ہوا کہ پھر پورے سفر اس نے نہ کسی سے آنکھیں ملائیں اور نہ ہی کسی سے کوئی بات کی۔

شیخ الحدیث اور شربت کی دکان

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نوراللہ مرقدہ نے آپ بیتی میں اپنی ذات سے متعلق ایک بڑا دلچسپ واقعہ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ سفر سے واپسی پر جب میں ریل گاڑی سے اترا تو سخت پیاس محسوس ہوئی۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ * پلیٹ فارم * کے کنارے ایک * سکھ * کی دکان تھی جسمیں مختلف رنگ کے شربت تھے۔ میں دوکان پر گیا اور ایک بوتل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ فلاں شربت دے دو، * سکھ * نے مجھے اوپر سے نیچے تک بڑی غور سے دیکھا اور سخت انداز میں بولا: جاؤ یہاں سے۔ کوئی شربت وربت نہیں ملے گا۔ مجھے بڑا غصہ آیا کہ پیسے دیکر لے رہا ہوں۔ کوئی فری کا تھوڑی مانگ رہا ہوں۔ یہ

سکھ بڑا حاسد قسم کا ہے۔ میں باہر آگیا۔ جو صاحب مجھے لینے آئے تھے، میں نے یہ واقعہ ان سے نقل کیا کہ وہ سکھ تو بڑا حاسد ہے، مجھے پیاس لگی ہے اور اس نے شربت دینے سے انکار کر دیا۔ وہ صاحب مسکرائے اور کہا: حضرت! وہ شربت کی دوکان نہیں, * شراب * کی دوکان تھی. یہ سن کر میں نے آسمان کی طرف چہرا کیا اور کہا * الحمدللہ * یا میرے اللہ! تو نے مجھے آج بچا لیا، ورنہ اگر ایک گھونٹ بھی پی لیتا تو میرا کیا ہوتا؟ اور دل ہی دل میں اس سکھ بے چارے کا بہت شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے شریف آدمی سمجھ کر دینے سے انکار کر دیا۔

حضرت یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

میرے پیارو! تم اگر متقیوں کی سی شکل ہی اختیار کر لو تو بہت سارے خرافات سے بچ جاؤ گے۔

* ترے عشق کی کرامت یہ اگر نہیں تو کیا ہے؟ *

* کبھی بے ادب نہ گزرا میرے پاس سے زمانہ *

حیرت انگیز معلومات

کیا آپ جانتے ہیں؟ اللہ کے حروف ۴ ہیں - محمد کے حروف ۴ ہیں - رسول کے حروف ۴ ہیں - کتاب کے حروف ۴ ہیں - قرآن کے حروف ۴ ہیں - مسجد کے حروف ۴ ہیں - کلمہ کے حروف ۴ ہیں - نماز کے حروف ۴ ہیں - روزہ کے حروف ۴ ہیں - زکوٰۃ کے حروف ۴ ہیں - سورج کے حروف ۴ ہیں - چاند کے حروف ۴ ہیں - جہاد کے حروف ۴ ہیں - زمین کے حروف ۴ ہیں - نکاح کے حروف ۴ ہیں - طلاق کے حروف ۴ ہیں - دنیا کے حروف ۴ ہیں - آخرت کے حروف ۴ ہیں - سوال کے حروف ۴ ہیں - جواب کے حروف ۴ ہیں - گناہ کے حروف ۴ ہیں - نیکی کے حروف ۴ ہیں - ثواب کے حروف ۴ ہیں - عذاب کے حروف ۴ ہیں - بہشت کے حروف ۴ ہیں (جنّت) - دوزخ کے حروف ۴ ہیں (جہنم) - حضور اکرم کے دوست ۴ ہیں - بڑے فرشتے ۴ ہیں - آسمانی کتابیں ۴ ہیں۔

ایک بڑھیا اور لاٹھی

ایک بوڑھی عورت جو روضہ اطہر پر کھڑی ہو کر اس طرح دعا کر رہی تھی: یا رب! سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میری مدد کریں، یا اللہ آقا دو جہاں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میری دعا قبول فرما۔۔۔۔۔۔وغیرہ۔

ایک غیر مقلد عالم نے اسے سنا۔

غیر مقلد نے کہا: ماں جی یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ یہ شرک ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ان کو وسیلہ بنانے کا کوئی فائدہ نہیں اور یہ لاٹھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ فائدہ مند ہے!!!

بڑھیا نے پوچھا: وہ کیسے؟

غیر مقلد عالم: آؤ تمھیں توحید کی تعلیم دیتا ہوں۔

وہ لاٹھی لے کر اس جگہ گیا جہاں ایک اونٹ بیٹھا تھا۔ اونٹ سے کہا:

اے اونٹ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے کھڑے ہو جا۔ اے اونٹ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے کھڑے ہو جا۔ اونٹ حرکت نہیں کر رہا تھا۔

غیر مقلد عالم نے اسے لاٹھی سے مارا اور اونٹ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے بڑھیا کی طرف متوجہ ہو کر کہا: میں نے آپ سے کہا تھا کہ لاٹھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ فائدہ مند ہے!!!

بڑھیا غیر مقلد عالم سے: یہ لاٹھی مجھے دو۔ میں دیکھتی ہوں۔ جب اونٹ بیٹھ گیا تو بڑھیا نے کہا:

اے اونٹ خدا کی خاطر اٹھو ، اونٹ بیٹھا رہا۔ پھر کہا: اے اونٹ اللہ تعالی کے ننانوے ناموں کی خاطر اٹھ کھڑا ہو۔ پھر بھی اونٹ بیٹھا رہا۔

پھر کہا اے اونٹ میں آپ سے خدا کے نام اور عظیم صفات کے ساتھ عرض کرتی ہوں کہ اٹھ کھڑے ہو جا۔ پھر بھی اونٹ بیٹھا رہا۔

پھر بڑھیا نے اسے لاٹھی سے مارا اور اونٹ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اب بڑھیا نے غیر مقلد عالم سے پوچھا: کیا لاٹھی خدا سے بہتر ہے (نعوذ باللہ)

غیر مقلد: لاجواب رہ گیا۔

بڑھیا نے کہا معاملہ یہ نہیں کہ جو تم نے سمجھا ہے۔

بلکہ یہ ایک اونٹ ہے جو تم جیسا جانور ھے جس کو صرف لاٹھی سے سمجھایا جاتا ھے ۔

مسلم حکمران اور پروپیگنڈا

چند سال سے اس ملک کے ٹیلیویژن چینلز پر تعلیم کے نام پر سفید جھوٹ پر مبنی پروگرام چلائے جارہے ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش ہے کہ جب یورپ میں یونیورسٹیاں کھل رہی تھیں تو مسلم بادشاہ تاج محل اور شالامار باغ بنارہے تھے۔

میری یہ تحریر مختلف مصنفین کے متعلقہ کالمز اور پروفیسرز، مورخین یا محققین کی تحقیق کے اس حصہ پر مبنی ہے جو میں نے ذاتی تحقیق کے بعد درست پائے۔ اس تحریر میں میرے اپنے الفاظ کم اور مندرجہ بالا شخصیات کے الفاظ زیادہ ہیں۔

تاریخ کی گواہی بعد میں پیش کروں گا پہلے بنیادی عقل کا ایک درس پیش کروں۔

ان چینلز یا پروگرامز میں اگر کوئی سمجھ بوجھ والا آدمی بیٹھا ہوتا تو اس کو سمجھنے میں یہ مشکل نہیں آتی کہ مسلم دور کی شاندار عمارات جس عظیم تخلیقی صلاحیت سے تعمیر کی گئیں، وہ دو چیزوں کے بغیر ممکن نہ تھیں. پہلی فن تعمیر کی تفصیلی مہارت، جس میں جیومیٹری، فزکس، کیمسٹری اور ڈھانچے کے خدوخال وضع کرنے تک کے علوم شامل ہوتے ہیں. دوسری کسی ملک کی مضبوط معاشی اور اقتصادی حالت اس قدر مضبوط کہ وہاں کے حکمران شاندار عمارات تعمیر کرنے کا خرچ برداشت کرسکیں۔

معاشی حوالے سے ہندوستان بالعموم مسلم ادوار اور بالخصوص مغلیہ دور (اکبر - عالمگیر) میں دنیا کے کل GDP میں اوسطاً ۲۵٪ فیصد حصہ رکھتا تھا۔

درآمدات انتہائی کم اور برآمدات انتہائی زیادہ تھیں اور آج ماہر معاشیات جانتے ہیں کہ کامیاب ملک وہ ہے جس کی برآمدات زیادہ اور درآمدات کم ہوں۔.

سترویں صدی میں فرانسیسی سیاح فرانکیوس برنئیر ہندوستان آیا اور کہتا ہے کہ ہندوستان کے ہر کونے میں سونے اور چاندی کے ڈھیر ہیں. اسی لئے سلطنت مغلیہ ہند کو سونے کی چڑیا کہتے تھے.۔

اب تعمیرات والے اعتراض کی طرف آتے ہیں.۔

فن تعمیر کی جو تفصیلات تاج محل، شیش محل، شالامار باغ، مقبرہ ہمایوں، دیوان خاص وغیرہ وغیرہ میں نظر آتی ہے، اس سے لگتا ہے کہ انکے معمار جیومیٹری کے علم کی انتہاؤں کو پہنچے ہوئے تھے.

تاج محل کے چاروں مینار صرف آدھا انچ باہر کی جانب جھکائے گئے تاکہ زلزلے کی صورت میں گرے تو گنبد تباہ نہ ہوں.۔

مستری کے اینٹیں لگانے سے یہ سب ممکن نہیں، اس میں حساب کی باریکیاں شامل ہیں۔.

پورا تاج محل ۹۰ فٹ گہری بنیادوں پر کھڑا ہے۔.

اس کے نیچے ۳۰ فٹ ریت ڈالی گئی کہ اگر زلزلہ آئے تو پوری عمارت ریت میں گھوم سی جائے اور محفوظ رہے. لیکن اس سے بھی حیرانی کی بات یہ ہے کہ اتنا بڑا شاہکار دریا

کے کنارے تعمیر کیا گیا ہے اور دریا کنارے اتنی بڑی تعمیر اپنے آپ میں ایک چیلنج تھی، جس کے لئے پہلی بار ویل فاونڈیشن (well foundation) متعارف کرائی گئی یعنی دریا سے بھی نیچے بنیادیں کھود کر انکو پتھروں اور مصالحہ سے بھر دیا گیا، اور یہ بنیادیں سینکڑوں کی تعداد میں بنائی گئی گویا تاج محل کے نیچے پتھروں کا پہاڑ اور گہری بنیادوں کا وسیع جال ہے، اسطرح تاج محل کو دریا کے نقصانات سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔.

عمارت کے اندر داخل ہوتے ہوئے اسکا نظارہ فریب نظر یعنی (Optical illusion) سے بھرپور ہے۔.

یہ عمارت بیک وقت اسلامی، فارسی، عثمانی، ترکی اور ہندی فن تعمیر کا نمونہ ہے.۔

یہ فیصلہ کرنے کے لئے حساب اور جیو میٹری کی باریک تفصیل درکار ہے.۔

پروفیسر ایبا کوچ (یونیورسٹی آف وینیا) نے حال میں ہی تاج محل کے اسلامی اعتبار سے روحانی پہلو واضح (decode) کئے ہیں.

اور بھی کئی راز مستقبل میں سامنے آسکتے ہیں.

انگریز نے تعمیرات میں (well foundation) کا آغاز انیسویں صدی اور (optical illusions) کا آغاز بیسویں صدی میں کیا.

جب کہ تاج محل ان طریقہ تعمیر کو استعمال کر کے سترھویں صدی کے وسط میں مکمل ہو گیا تھا.

آج تاج محل کو جدید مشینری اور جدید سائنس کو استعمال کرتے ہوئے بنایا جائے تو ۱۰۰۰ ملین ڈالر لگنے کے باوجود ویسا بننا تقریباً ناممکن ہے.

' ٹائل موزیک' فن ہے، جس میں چھوٹی چھوٹی رنگین ٹائلوں سے دیوار پر تصویریں بنائی جاتی اور دیوار کو منقش کیا جاتا ہے .

یہ فن لاہور کے شاہی قلعے کی ایک کلومیٹر لمبی منقش دیوار اور مسجد وزیر خان میں نظر آتا ہے.

ان میں جو رنگ استعمال ہوئے، انکو بنانے کے لئے آپ کو موجودہ دور میں پڑھائی جانے والی کیمسٹری کا وسیع علم ہونا چاہئیے .

یہی حال فریسکو پینٹنگ کا ہے، جن کے رنگ چار سو سال گزرنے کے باوجود آجتک مدہم نہیں ہوئے.

تمام مغل ادوار میں تعمیر شدہ عمارتوں میں ٹیرا کوٹا (مٹی کو پکانے کا فن) سے بنے زیر زمین پائپ ملتے ہیں .

ان سے سیوریج اور پانی کی ترسیل کا کام لیا جاتا تھا. کئی صدیاں گزرنے کے باوجود یہ اپنی اصل حالت میں موجود ہیں.

مسلم فن تعمیر کا مکمل علم حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور موجودہ دور کے سائنسی پیمانوں پر ایک نصاب کی صورت تشکیل دیا جائے تو صرف ایک فن تعمیر کو مکمل طور پر سیکھنے کے لیے پی ایچ ڈی (phd) کی کئی ڈگریاں درکار ہوں گی. کیا یہ سب کچھ اس ہندوستان میں ہو سکتا تھا، جس میں جہالت کا دور دورہ ہو اور جس کے حکمرانوں کو علم سے نفرت ہو؟؟

یہ مسلم نظام تعلیم ہی تھا جو سب کے لئے یکساں تھا، جہاں سے بیک وقت عالم، صوفی، معیشت دان، طبیب، فلسفی، حکمران اور انجینئر نکلتے تھے. شیخ احمد سرہندی رح ہوں یا جہانگیر ہو یا استاد احمد لاہوری ہو، یہ سب مختلف گھرانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک ہی تعلیمی نظام میں پروان چڑھے، اسی لئے ان سب کی سوچ انسانی مفاد کے لئے تھی.

مزید بھی میں مغربی مصنفین کی گواہی پیش کروں گا،اسلئے کہ میرے ان "عظیم" صاحبان علم کو کسی مسلمان یالوکل مصنف کی گواہی سے بھی بو آتی ہے.

ول ڈیورانٹ مغربی دنیا کس مشہور ترین مورخ اور فلاسفر ہے.

وہ اپنی کتاب story of civilization میں مغل ہندوستان کے بارے میں لکھتا ہے:

"ہر گاوں میں ایک سکول ماسٹر ہوتا تھا، جسے حکومت تنخواہ دیتی تھی. انگریزوں کی آمد سے پہلے صرف بنگال میں ۸۰ ہزار سکول تھے .

ہر ۴۰۰ افراد پر ایک سکول ہوتا تھا.

ان سکولوں میں ٦ مضامین پڑھائے جاتے تھے. گرائمر، آرٹس اینڈ کرافٹس، طب، فلسفہ، منطق اور متعلقہ مذہبی تعلیمات" .

اس نے اپنی ایک اور کتاب A Case For India میں لکھا کہ مغلوں کے زمانے میں صرف مدراس کے علاقے میں ایک لاکھ ۲۵ ہزار ایسے ادارے تھے، جہاں طبی علم پڑھایا جاتا اور طبی سہولیات میسر تھیں.

میجر ایم ڈی باسو نے برطانوی راج اور اس سے قبل کے ہندوستان پر بہت سی کتب لکھیں. وہ میکس مولر کے حوالے سے لکھتا ہے "بنگال میں انگریزوں کے آنے سے قبل وہاں ۸۰ ہزار مدرسے تھے." اورنگزیب عالمگیر رح کے زمانے میں ایک سیاح ہندوستان آیا' جس کا نام الیگزینڈر ہملٹن تھا۔

اس نے لکھا کہ صرف ٹھٹھہ شہر میں علوم وفنون سیکھانے کے ۴۰۰ کالج تھے .

میجر باسو نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ہندوستان کے عام آدمی کی تعلیم یعنی فلسفہ، منطق اور سائنس کا علم انگلستان کے رئیسوں حتیٰ کہ بادشاہ اور ملکہ سے بھی زیادہ ہوتا تھا.

جیمز گرانٹ کی رپورٹ یادرکھے جانے کے قابل ہے .

اس نے لکھا " تعلیمی اداروں کے نام جائیدادیں وقف کرنے کارواج دنیا بھر میں سب سے پہلے مسلمانوں نے شروع کیا.

1857 ء میں جب انگریز ہندوستان پر مکمل قابض ہوئے تو اس وقت صرف روحیل کھنڈ کے چھوٹے سے ضلع میں، ۵۰۰۰ اساتذہ سرکاری خزانے سے تنخواہیں لیتے تھے."

مذکورہ تمام علاقے دہلی یا آگرہ جیسے بڑے شہروں سے دور مضافات میں واقع تھے.

انگریز اور ہندو مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ تعلیم کا عروج عالمگیر رح کے زمانے میں اپنی انتہا کو پہنچا.

عالمگیر رح نے ہی پہلی دفعہ تمام مذاہب کے مقدس مذہبی مقامات کے ساتھ جائیدادیں وقف کیں .

سرکار کی جانب سے وہاں کام کرنے والوں کے لئے وظیفے مقرر کئے.

اس دور کے ۳ ہندو مورخین سجان رائے کھتری، بھیم سین اور ایشور داس بہت معروف ہیں .

سجان رائے کھتری نے "خلاصہ التواریخ"، بھیم سین نے "نسخہ دلکشا" اور ایشور داس نے "فتوحات عالمگیری" لکھی .

یہ تینوں ہندو مصنفین متفق تھے کہ عالمگیر نے پہلی دفعہ ہندوستان میں طب کی تعلیم پر ایک مکمل نصاب بنوایا اور طب اکبر، مفرح القلوب، تعریف الامراض، مجربات

اکبری اور طب نبوی جیسی کتابیں ترتیب دے کر کالجوں میں لگوائیں تاکہ اعلیٰ سطح پر صحت کی تعلیم دی جاسکے .

یہ تمام کتب آج کے دور کے MBBS نصاب کے ہم پلہ ہیں.

اورنگزیب سے کئی سو سال پہلے فیروز شاہ نے دلی میں ہسپتال قائم کیا، جسے دارالشفاء کہا جاتا تھا .

عالمگیر نے ہی کالجوں میں پڑھانے کے لیے نصابی کتب طب فیروز شاہی مرتب کرائی.

اس کے دور میں صرف دلی میں سو سے زیادہ ہسپتال تھے.

تاریخ سے ایسی ہزاروں گواہیاں پیش کی جاسکتی ہیں. ہوسکے تو لاہور کے انارکلی مقبرہ میں موجود ہر ضلع کی مردم شماری رپورٹ ملاحظہ فرمالیں. آپکو ہر ضلع میں شرح خواندگی ۸۰٪ سے زیادہ ملے گی جو اپنے وقت میں بین الاقوامی سطح پر سب سے زیادہ تھی، لیکن انگریز جب یہ ملک چھوڑ کر گیا تو صرف ۱۰٪ تھی. بنگال ۱۷۵۷ء میں ۷ یا اور اگلے ۴۳ برسوں میں سبھی سکول و کالج کھنڈر بنا دیئے گئے.

ایڈمنڈ بروک نے یہ بات واضح کہی تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مسلسل دولت لوٹی جس وجہ سے ہندوستان بدقسمتی کی گہرائی میں جا گرا .

پھر اس ملک کو تباہ کرنے کے لئے لارڈ کارنیوالس نے ۱۷۸۱ء میں پہلا دینی مدرسہ کھولا.

اس سے پہلے دینی اور دنیاوی تعلیم کی کوئی تقسیم نہ تھی.

ایک ہی مدرسہ میں قرآن بھی پڑھایا جاتا تھا، فلسفہ بھی اور سائنس بھی. یہ تاریخ کی گواہیاں ہیں.

لیکن اشتہار و پروگرام بنانے والے جھوٹ کا کاروبار کرنا چاہیں تو انہیں یہ باطل اور مرعوب نظام نہیں روکتا.

مجھے دہلی جانے کا اتفاق ہوا ہے اور ان تعمیرات کا مشاہدہ کیا ہے، آپ یقین کیجئیے کہ ان عمارات کے سحر سے نکلنا ایک مشکل کام ہوتا تھا اور فخر اور حیرانی ہوتی تھی کہ ان ادوار میں مشین کا وجود نہ ہونے کے باوجود ایسے شاہکار تعمیر کرنا ناممکن لگتا ہے .

لاہور میں مغلیہ فن تعمیر پر کبھی نظر دوڑائیے۔

آپ انجینئرنگ کے کارناموں پر محو حیرت رہ جائیں گے کیونکہ جب یورپ یونیورسٹیاں بنارہا تھا تو یہاں وہ تعلیمات عام ہوچکی تھیں .

لیکن یہ موجودہ ظالم نظام جہاں ہمیں اپنی اعانت کے لئے اپنا کلرک بناتا ہے وہاں ہماری عظیم تاریخ کو بھی مبہم بناتا ہے.

تحریر کا اختتام کرنے کے لئے بہت کچھ ہے لیکن ایک سنہری قول سے اختتام کروں گا.

"آج مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ انہیں ذرائع ابلاغ (Media) کا پروپیگنڈا بہا کے لے گیا۔

بھارت کے نوجوانوں کے نام کھلا خط:

اپنے آپ کو اسمارٹ فون کی لت سے باہر نکالیے، یہ آپ کو تباہ کر دے گی۔

تحریر: چیتن بھگت　　　　　　　ترجمہ: نایاب حسن

عزیز دوستو!

مجھے نہیں معلوم کہ ایک بڑے اخبار میں شائع ہونے کے باوجود یہ خط آپ تک پہنچے گا بھی یا نہیں۔ آپ میں سے بہت سے لوگ اپنے فون میں مشغول ہوں گے، ویڈیو دیکھ رہے ہوں گے، ویڈیو گیم کھیل رہے ہوں گے، اپنے دوستوں کے ساتھ چیٹ کر رہے ہوں گے، سوشل میڈیا پر کمینٹ کر رہے ہوں گے یا خوب صورت سلیبرٹیز کی پروفائلز کو سکرول کر رہے ہوں گے، ایسے میں ایک مضمون پڑھنا یقیناً آپ کی ترجیحات کی لسٹ میں سب سے نیچے ہو گا۔

پھر بھی اگر اس تحریر پر آپ کی نظر پڑے، تو آپ اسے ضرور پڑھیں۔ یہ اہم مضمون ہے اور اس کا راست تعلق آپ کی زندگی سے ہے۔ آپ فون پر اپنی زندگی برباد کر رہے ہیں۔ ہاں! آپ ہندوستان کی پہلی نوجوان نسل ہیں، جسے اسمارٹ فونز اور سستا انٹرنیٹ ڈیٹا ملا ہوا ہے اور آپ اس پر روزانہ گھنٹوں صرف کرتے ہیں۔

موبائل فون کے سکرین پر صرف کیے جانے والے وقت کا جائزہ لیں، تو روزانہ کے حساب سے پانچ سات گھنٹے بنتے ہیں۔ جو لوگ ریٹائر ہیں یا اپنی زندگی میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں، وہ موبائل فون پر گھنٹوں صرف کر سکتے ہیں، مگر ایک نوجوان، جسے ابھی اپنی زندگی بنانی ہے، وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

پانچ گھنٹے آپ کی حالتِ بیداری کا ایک تہائی اہم حصہ ہے یا یہ کہیں کہ آپ کی زندگی کا ایک تہائی حصہ ہے۔ سگریٹ یا دوسری منشیات کی طرح یہ فون کی لت بھی آپ کی زندگی کے ایک حصے کو کھاتی جارہی ہے، اگر ایسا ہی چلتا رہا، تو آپ کی پوری نسل ایک (4Gotten فراموش شدہ) نسل بن کر رہ جائے گی، ایک ایسی نسل جسے 4G کی لت لگی ہوئی ہے، جس کا زندگی میں کوئی ہدف نہیں اور جو اپنی قوم و ملک کی ضروریات کے تئیں جاہلِ مطلق ہے۔

فون کی لت کے درج ذیل تین بنیادی منفی اثرات ہیں:

سب سے پہلا تو یہ کہ یہ وقت کی بربادی کا باعث ہے، جسے کسی دوسرے نفع بخش کام میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ آپ تصور کیجیے کہ اگر روزانہ فون پر استعمال ہونے والے تین گھنٹے آپ بچاتے ہیں اور انھیں کسی دوسرے کام مثلاً ورزش، کوئی ہنر سیکھنے، مطالعہ کرنے، کوئی اچھی جاب تلاش کرنے، کوئی کاروبار شروع کرنے میں استعمال کرتے ہیں، تو اس سے آپ کو کتنا فائدہ ہو سکتا ہے اور آپ کہاں سے کہاں تک پہنچ سکتے ہیں!

دوسرا یہ کہ فون پر بیکار چیزیں دیکھنے سے آپ کی قوتِ مدرکہ متاثر ہوتی ہے۔ ہمارے دماغ کے دو حصے ہیں: ایک جذباتی اور دوسرا ادراکی یا علمی۔ تندرست اور صحیح سالم دماغ وہ ہے جس کے دونوں حصے کام کرتے ہوں۔ جب آپ بیکار چیزیں دیکھتے ہیں، تو آپ کے دماغ کے علمی حصے پر منفی اثر پڑتا ہے اور اس کی قوتِ کار کم ہوتی جاتی ہے۔ پھر بتدریج آپ کی قوتِ فکر، قوتِ استدلال ختم ہونے لگتی ہے۔ آپ کے اندر مختلف نقطہ ہائے نگاہ کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہتی، مختلف حالات کو سمجھنے اور برتنے کی قوت نہیں رہتی، مثبت و منفی احوال کی درست تشخیص اور اس کے مطابق فیصلہ لینے کی صلاحیت نیں رہتی۔

جب آپ کے دماغ کی قوتِ مدرکہ کام کرنا بند کر دیتی ہے، تو پھر آپ صرف اس کے جذباتی حصے سے کام لیتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر برپا ہونے والے تنازعات، پولرائزیشن، سلیبرٹیز یا سیاست دانوں کے تئیں بہت زیادہ محبت یا نفرت کا اظہار، کسی خاص ٹی وی اینکر کا مشہور ہونا یہ سب وہ مقامات ہیں، جہاں دماغ کے جذباتی حصے سے کام لیا جاتا ہے اور علمی و منطقی حصے سے کام نہیں لیا جاتا۔

جو لوگ محض جذباتی سوچ سے کام لیتے ہیں وہ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہو پاتے۔ اس سے نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ اپنے دماغ کو بیکار چھوڑنے کی بجائے اسے زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز امور میں استعمال کیجیے۔

تیسرا یہ ہے کہ مسلسل گھنٹوں سکرین پر گزارنے سے آپ کا حوصلہ اور انرجی کم ہوتی جائے گی۔ زندگی میں کامیابی تب ملتی ہے، جب کوئی ہدف مقرر کیا جائے، اس کے تیئں پر امید رہا جائے اور اس کے حصول کے لیے جاں توڑ کوشش کی جائے۔ جبکہ مستقل موبائل اسکرین سے چپکے رہنا آپ کو سست بناتا ہے۔ آپ کی شخصیت کے اَعماق میں خوف کی نفسیات پیدا کر دیتا ہے، پھر آپ کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے گھبرانے لگتے ہیں، آپ کو یقین ہی نہیں ہوتا کہ وہ کام آپ کے بس کا ہے۔

آپ اپنی اس نفسیات پر قابو پانے کی بجاے خارج میں اپنی ناکامی کے اسباب کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ اپنے دشمن تلاش کرتے ہیں مثلاً موجودہ برے سیاست دان، گذشتہ سیاست دان، مسلمان، بالی ووڈ میں چل رہی اقرباپروری، مال دار لوگ، مشہور افراد یا کوئی بھی ایسی وجہ جسے آپ اپنی ناکام زندگی کا ذمے دار ٹھہرا سکیں۔ یہ درست ہے کہ ہمارے ملک کا سسٹم خراب اور ناموافق ہے۔ مگر سوشل میڈیا پر بیٹھ کر اپنا وقت برباد کرنے سے آپ کو کچھ نہیں ملنا، ہاں اگر آپ اپنی ذات پر محنت کریں، تو اس سے فائدہ ہوگا۔

دوسروں کی شکایت کرتے رہنے کی عادت چھوڑیے، اپنی دنیا خود بنایئے، اپنے لیے ایک بہتر زندگی بنایئے اور اپنے آپ کو ایک بہتر شخصیت بنایئے۔ سوچیے کہ کیا آپ زیادہ سے زیادہ وہ کام کر رہے ہیں، جس کی آپ کے اندر صلاحیت ہے؟ کیا آپ اتنی

محنت کر رہے ہیں، جتنی کہ کر سکتے ہیں؟ جب تک اپنی زندگی میں کچھ کر نہ لیں، اس وقت تک کے لیے فون میں گھسے رہنے کی لت کو چھوڑ دیجیے۔ ہر کامیاب انسان نامناسب ماحول میں ہی اپنے لیے مناسب ماحول پیدا کرتا ہے، آپ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔

بہت زیادہ نشہ آور ادویہ کے بر خلاف فورجی فون رکھنے، استعمال کرنے کو قانونی جواز حاصل ہے۔ بچے بھی اپنی جیبوں میں فون رکھ سکتے ہیں۔ فون کے بے شمار فائدے بھی ہیں، اس کے ذریعے آپ اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتے ہیں، آن لائن شاپنگ کر سکتے ہیں، آج کل آن لائن کلاسوں کا چلن بھی بڑھ رہا ہے۔ شخصیت کی نشوونما اور سیکھنے کے لیے بھی اس سے مدد لی جاسکتی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ ایک نوجوان؛ بلکہ ایک پوری نئ نسل کو برباد کرنے کا سبب بھی بن رہا ہے۔

یہ ہمارے ملک کے نوجوانوں پر ہے کہ وہ اس ملک کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔ ذرا آپ اس ہندوستانی نسل کا تصور کیجیے، جس کے ہاتھوں ہمارے ملک کو آزادی نصیب ہوئی۔ وہ کتنی سنجیدہ تھی۔ اس نے اپنے آپ کو ملک کی آزادی کے لیے وقف کر دیا تھا، تب ہمیں آزادی ملی تھی۔ مجھے منڈل کمیشن اور ۲۰۱۱ کی اناہزارے تحریک اب بھی یاد ہے۔ تب نوجوانوں کو اپنے ملک کی فکر تھی۔ مگر آج کیا ہمارے نوجوانوں کو

واقعی ملکی مسائل و معاملات سے کوئی دلچسپی ہے؟ یا کیا وہ کسی خبر پر اس اعتبار سے اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ کتنی سنسنی خیز، تفریحی یا عجیب و غریب ہے؟

ابھی ہمارے ملک کی اولین ترجیح یہ ہونی چاہیے کہ ہم پھر سے معاشی ترقی کیسے حاصل کریں۔ چین ہم سے پانچ گنا زیادہ مالدار ہے۔ آپ گوگل پر موجود چینی شہروں کی تصویریں دیکھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہمیں بہت محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر کیا ہم ایسا کریں گے؟ یا ہم ایسے بے ضرر اشتہارات پر جھنجھلاتے رہیں گے، جن میں بین مذاہب شادی کے مناظر دکھائے جارہے ہیں؟ آپ لوگ اپنے کریئر پر دھیان دیں گے یا نہ ختم ہونے والے ہندو مسلم جھگڑوں پر اپنا وقت اور انرجی برباد کریں گے؟ آپ اپنی زندگی بہتر بنانا چاہتے ہیں یا بالی ووڈ کے کے معاملات و مسائل سلجھانا چاہتے ہیں؟

آپ کو، یعنی آج کے نوجوانوں کو خود ان سوالوں کے جواب طے کرنا ہوں گے۔ کوئی لیڈر، کوئی اداکار یا کوئی ہیرو ہیروئن ان سوالوں کا جواب نہیں دے گا۔ آپ اپنے آپ کو اور اس ملک کو جہاں لے جانا چاہتے ہیں، لے جائیں، مگر آپ کا مقصد یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہندوستان کو غریب، مگر بے جا اکڑفوں دکھانے والا ملک بنانا ہے، آپ کا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ ہندوستان کو ایک مالدار اور منکسر الطبع ملک بنانا ہے۔ فون کی لت

سے چھٹکارا حاصل کیجیے، اپنے آپ کو مفید کاموں میں مصروف کیجیے اور اپنی زندگی و ملک کے لیے کچھ اچھا کیجیے۔

آپ ایسی نسل بنیے جو ہندوستان کو آگے لے کر جائے گی، ایسی نسل مت بنیے، جو فور جی کے چکروں میں 4Gotten بن جائے۔

(اصل انگریزی مضمون آج کے ٹائمس آف انڈیا میں شائع ہوا ہے)

کاش ہم موبائل سے سبق سیکھتے

دنیا کے پہلے موبائل کا بنیادی کام صرف کال کروانا تھا، اور موبائل کی اس پہلی نسل کو 1G یعنی فرسٹ جنریشن کا نام دیا گیا۔ اور اس موبائل میں کال کرنے اور سننے کے سوا کوئی دوسرا آپشن نہیں ہوتا تھا۔

پھر جب موبائلز میں sms یعنی سینٹ میسج کا آپشن ایڈ ہوا، تو اسے 2G یعنی سیکنڈ جنریشن کا نام دیا گیا۔

پھر جس دور میں موبائلز کے ذریعے تصاویر بھیجنے کی صلاحیت بھی حاصل کر لی گئی تو اس اتیج کے موبائل کو 3G یعنی تھرڈ جنریشن کا نام دیا گیا۔

اور جب بذریعہ انٹرنیٹ متحرک فلمز اور movie موویز بھیجنے کی صلاحیت بھی حاصل کر لی گئی تو اس اتیج کے موبائلز کو 4G یعنی فورتھ جنریشن کا نام دیا گیا۔۔۔

اور ابھی جب موبائلز کی دنیا 5G کی طرف بڑھ رہی تو اس وقت تک دنیا کی ہر چیز کو موبائل میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ آج دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا کام ہو گا جو موبائل سے نہ لیا جا رہا ہو۔ مگر حیرت ہے کہ اتنی ترقی کرنے اور نت نئے مراحل سے گزرنے کے باوجود یہ موبائل آج بھی اپنا بنیادی کام نہیں بھولا۔

آپ کوئی گیم کھیل رہے ہوں یا فلم دیکھ رہے ہوں، انٹرنیٹ سرچنگ کر رہے ہوں یا وڈیو بنا رہے ہوں۔۔۔ الغرض موبائل پر ایک وقت میں مثلاً ۱۰ کام بھی کر رہے ہوں۔۔۔ لیکن جیسے ہی کوئی کال آئے گی موبائل فوراً سے پہلے سب کچھ چھوڑ کر آپ کو بتاتا ہے کہ کال آرہی ہے یہ سن لیں۔ اور وہ اپنے اصل اور بنیادی کام کی خاطر باقی سارے کام ایکدم روک لیتا ہے۔

اور ایک انسان جسے اللہ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور ساری کائنات کو اس کی خدمت کے لیے سجا دیا، وہ اللہ کی کال پر دن میں کتنی بار اپنے کام روک کر مسجد جاتا ہے؟ مسجد جانا تو درکنار اب اللہ کی کال یعنی اذان پر ہم اپنی گفتگو بھی روکنا مناسب نہیں سمجھتے۔

کاش ہم موبائل سے اتنا سا ہی سبق سیکھ لیں جسے ہم نے خود ایجاد کیا اور ایک لمحہ بھی خود سے جدا نہیں کرتے کہ دنیا کے سب ہی کام کرو مگر اپنی پیدائش کا بنیادی مقصد اللہ کی عبادت کبھی نہ بھولو۔ اذان ہوتے ہی سب کچھ روک کر مسجد چلو اور اللہ کی کال پر لبیک کہو۔."

ایک قیمتی ہار

سیر اعلام النبلاء میں مذکور ایک حیرت انگیز اور سبق آموز واقعہ: ابن عقیلؒ اپنا واقعہ لکھتے کہ میں بہت ہی زیادہ غریب آدمی تھا۔ ایک مرتبہ میں نے طواف کرتے ہوئے

ایک ہار دیکھا جو بڑا قیمتی تھا۔ میں نے وہ ہار اٹھالیا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں اسے چھپالوں لیکن میرا ضمیر کہتا تھا، ہرگز نہیں، یہ چوری ہے، بلکہ دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ جس کا یہ ہار ہے اسے میں واپس کردوں۔ چنانچہ میں نے مطاف میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ اگر کسی کا ہار گم ہوا ہو تو آکر مجھ سے لے لے۔

کہتے ہیں کہ ایک نابینا آدمی آیا اور کہنے لگا کہ یہ ہار میرا ہے اور میرے تھیلے میں سے گرا ہے۔

میرے نفس نے مجھے اور بھی ملامت کی کہ ہار تو تھا بھی نابینا کا، اس کا کسی کو کیا پتہ چلتا، چھپانے کا اچھا موقع تھا؛ مگر میں نے وہ ہار اسے دے دیا۔ نابینا نے دعا دی اور چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ میں دعائیں بھی مانگتا تھا کہ اللہ! میرے لیے کوئی رزق کا بندوبست کر دے۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ میں وہاں سے "ہلہ" آگیا۔ (یہ ایک بستی کا نام ہے) وہاں کی ایک مسجد میں گیا تو پتہ چلا کہ چند دن پہلے امام صاحب فوت ہو گئے تھے۔ لوگوں نے مجھے کہا کہ نماز پڑھا دو۔ جب میں نے نماز پڑھائی تو انہیں میرا نماز پڑھانا اچھا لگا۔ وہ کہنے لگے، تم یہاں امام کیوں نہیں بن جاتے۔ میں نے کہا، بہت اچھا۔ میں نے وہاں امامت کے فرائض سرانجام دینے شروع کر دیے۔ تھوڑے دنوں بعد پتہ چلا کہ جو امام صاحب پہلے فوت ہوئے تھے ان کی ایک جواں سال بیٹی ہے۔ وہ وصیت کر گئے تھے کہ کسی نیک بندے سے اس کا نکاح کر دینا۔ مقتدی لوگوں نے مجھ سے کہا، جی

اگر آپ چاہیں تو ہم اس یتیم بچی کا آپ سے نکاح کر دیتے ہیں۔ میں نے کہا، جی بہت اچھا، چنانچہ انہوں نے اس کے ساتھ میرا نکاح کر دیا۔

شادی کے کچھ عرصہ کے بعد میں نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ اس کے گلے میں وہی ہار تھا جو میں نے طواف کے دوران ایک نابینا آدمی کو لوٹایا تھا، اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ میں نے پوچھا، یہ ہار کس کا ہے؟ اس نے کہا، یہ میرے ابو نے مجھے دیا تھا۔ میں نے کہا، آپ کے ابو کون تھے؟ اس نے کہا: وہ عالم تھے، اس مسجد میں امام تھے اور نابینا تھے۔ تب مجھے پتہ چلا کہ اس کے ابو وہی تھے جن کو میں نے وہ ہار واپس کیا تھا۔ میں نے اس کو بتایا کہ یہ ہار تو میں نے ان کو اٹھا کر دیا تھا۔ وہ کہنے لگی کہ آپ کی بھی دعا قبول ہو گئی اور میرے ابو کی بھی دعا قبول ہو گئی۔ میں نے کہا وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ آپ کی دعا تو اس طرح قبول ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گھر بھی دیا، گھر والی بھی دی اور رزق بھی دیا اور میرے ابو کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ جب وہ ہار لے کر واپس آئے تو وہ دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! ایک امین (دیانت دار) شخص نے میرا ہار مجھے لوٹایا ہے، اے اللہ! ایسا ہی امین شخص میری بیٹی کے لیے خاوند کے طور پر عطا فرما دے۔ اللہ نے میرے باپ کی دعا بھی قبول کر لی اور آپ کو میرا خاوند بنا دیا.

* تو مخلص بندے کا کام اللہ تعالیٰ کبھی رکنے نہیں دیتے، اٹکنے نہیں دیتے بلکہ اس کی کشتی ہمیشہ کنارے لگا دیا کرتے ہیں *۔"

(تفصیل کے لئے دیکھیے سیر اعلام النبلاء ۱۹/۴۴۳ ترجمہ علی بن عقیل بغدادی متوفی 506)

استاذ کا رتبہ بڑا یا والدین کا؟

ایک مرتبہ شیخ عبدالاحد ازہری جو مصر کے بہت اچھے فقیہ ہیں۔۔ شیخ تقی عثمانی کے مہمان ہوئے۔ ایک مجلس میں آپ نے حاضرین کے سامنے بہت ہی عمدہ انداز میں تلاوت کی۔ پھر گفتگو کا دور شروع ہوا۔ بات نکلی۔ کہ قرآن نازل ہوا عرب میں پڑھا گیا مصر میں اور سمجھا گیا ہند میں۔ اس پر انہوں نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا۔

کہ ایک مرتبہ میں مسجد نبوی میں حاضر تھا۔ کچھ محبت رکھنے والے علماء نے مجھے مسند پر بٹھادیا۔ اور کہا ہمیں کچھ نصیحت کریں۔ بعد نصیحت کے سوال جواب کا دور شروع ہوا۔

کسی نے پوچھا استاذ کا رتبہ بڑا یا والدین کا؟؟

میں نے کہا کہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ استاذ کا درجہ بڑا ہوتا ہے۔ کیوں کہ والدین بچے کو نیچے (دنیا میں) لانے کو محنت کرتے ہیں اور استاذ بچے کو نیچے (دنیا) سے اوپر لے جانے کے لئے محنت کرتا ہے۔۔۔۔۔ اس جواب پر ایک ادھیڑ عمر کے آدمی نے کہا کہ مجھے آپ کا جواب سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا آپ کچھ سمجھا دیں۔ اس نے کہا۔ کہ صحابہ کے دور سے یہ ترتیب چلی آرہی ہے۔ (غالباً حضرت معاذ اور جناب نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک گفتگو کی طرف اشارہ فرمایا) کہ پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ، پھر عمل صحابہ پھر اخیر میں قیاس ہے۔ اور آپ نے پہلے ہی قیاس کو اٹھایا۔ حالانکہ والدین کا رتبہ منصوص علیہ ہے۔ اور آپ نے جو دلیل پیش کی وہ قیاس ہے۔ جب نص کسی چیز کی فضیلت میں وارد ہو جائے وہ ہر حال میں افضل ہی رہتی ہے۔ تا آنکہ کوئی دوسری نص اس کے خلاف وارد ہو جائے۔

میں نے اپنا سر پکڑ لیا۔۔۔ کہ واقعی اتنی زبردست چوک مجھ سے کیسے ہو گئی جب کہ اصول میں یہ بات ہے کہ کسی چیز کی فضیلت، یا کسی چیز کے ثواب و عقاب کو ثابت کرنے کے لئے نص قطعی الثبوت چاہیئے۔ یا ایسا مضبوط باسند المتصل قول نبی چاہیے جو اس فضلت یا ثواب و عقاب کے معاملہ میں صریح ہو، میں نے کہا واقعی میں غلطی پر تھا۔ کچھ اور فرمائیں۔ کہا کہ ایک باندی تھی۔ ابو لہب کی آزاد کردہ جن کا نام تھا "ثویبہ" جنہوں نے چند روز آپ علیہ السلام کو اپنا دودھ پلایا تھا۔ ایک مرتبہ تشریف لائیں۔ تو آپ نے اپنی دستار مبارک ان کے راستہ میں بچھا دی۔ یہ درجہ دیا اس ذات کو جس نے چند روز دودھ پلایا۔ تو جنم دینے والی کا کیا حق ہو گا؟ اور دوسری طرف حضرت جبرئیل جو من وجہ آپ کے استاذ تھے۔ ان کی آمد پر اس قسم کی تکریم ثابت نہیں۔ میں نے کہا آپ کے جواب سے اطمینان ہوا۔ کلام الٰہی اور عمل نبی کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ پھر وہ اٹھ کر چل دیئے۔ میں نے کہا شاید کوئی فقیہ ہیں۔

اھل مجلس نے کہا کہ یہ ہندوستان کے ادارہ دارالعلوم دیو بند کے استاذ حدیث مفتی سعید احمد پالنپوری ہیں۔

تعمیری ذہن اور مثبت سوچ رکھیے

ایک مشہور مصنف نے اپنے مطالعے کے کمرے میں قلم اٹھایا اور ایک کاغذ پر لکھا:

☆☆☆ گزشتہ سال میرا آپریشن ہوا اور پتا نکال دیا گیا، بڑھاپے میں ہونے والے اس آپریشن کی وجہ سے مجھے کئی ہفتے تک بستر کا ہو کر رہنا پڑا۔

☆☆☆ اسی سال ہی میری عمر ساٹھ سال ہوئی اور مجھے اپنی پسندیدہ اور اہم ترین ملازمت سے سبکدوش ہونا پڑا۔ میں نے نشر و اشاعت کے اس ادارے میں اپنی زندگی کے تیس قیمتی سال گزارے تھے۔

☆☆☆ اسی سال ہی مجھے اپنے والد صاحب کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا۔

☆☆☆ اسی سال ہی میرا بیٹا میڈیکل کے امتحان میں فیل ہو گیا، وجہ اس کی کار کا حادثہ تھا جس میں زخمی ہو کر اُسے کئی ماہ تک پلستر کرا کر گھر میں رہنا پڑا، کار کا تباہ ہو جانا علیحدہ سے نقصان تھا۔

صفحے کے نیچے اس نے لکھا؛ آہ، یہ کیا ہی برا سال تھا!!!

مصنف کی بیوی کمرے میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ اُس کا خاوند غمزدہ چہرے کے ساتھ خاموش بیٹھا خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ اُس نے خاوند کی پشت کے پیچھے کھڑے کھڑے ہی کاغذ پر یہ سب کچھ لکھا دیکھ لیا۔ خاوند کو اُس کے حال پر چھوڑ کر خاموشی سے باہر نکل گئی۔ کچھ دیر بعد واپس کمرے میں لوٹی تو اس نے ایک کاغذ تھام رکھا تھا جسے لا کر اُس نے خاموشی سے خاوند کے لکھے کاغذ کے برابر رکھ دیا۔ خاوند نے کاغذ دیکھا تو اس پر لکھا تھا۔

☆☆☆ گزشتہ سال میں آخر کار مجھے اپنے پتے کے درد سے نجات مل گئی جس سے میں سالوں کرب میں مبتلا رہا۔

☆☆☆ میں اپنی پوری صحت مندی اور سلامتی کے ساتھ ساٹھ سال کا ہو گیا۔ سالوں کی ریاضت کے بعد مجھے اپنی ملازمت سے ریٹائرمنٹ ملی ہے تو میں مکمل یکسوئی اور راحت کے ساتھ اپنا وقت کچھ بہتر لکھنے کیلئے استعمال کر سکوں گا۔

☆☆☆ اسی سال ہی میرے والد صاحب پچاسی سال کی عمر میں بغیر کسی پر بوجھ بنے اور بغیر کسی بڑی تکلیف اور درد کے آرام کے ساتھ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

☆☆☆ اسی سال اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو ایک نئی زندگی عطا فرمادی اور ایسے حادثے میں جس میں فولادی کار تباہ ہو گئی تھی مگر میرا بیٹا کسی معذوری سے بچ کر زندہ و سلامت رہا۔

آخر میں مصنف کی بیوی نے یہ فقرہ لکھ کر تحریر مکمل کی تھی کہ:

"واہ ایسا سال، جسے اللہ نے رحمت بنا کر بھیجا اور بخیر و خوبی گزرا۔"

ملاحظہ کیجیے: بالکل وہی حوادات اور بالکل وہی احوال لیکن ایک مختلف نقطہ نظر سے۔۔۔۔

بالکل اسی طرح اگر، جو کچھ ہو گزرا ہے، اسے اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے جو اس کے برعکس ہوتا تو، ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شاکر بن جائیں گے۔

اگر ہم بظاہر کچھ کھو بیٹھے اسے مثبت زاویے سے دیکھیں تو ہمیں جو کچھ عطا ہوا وہ بہتر نظر آنا شروع ہو جائے گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

"اور بے شک تیرا رب تو لوگوں پر فضل کرتا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے"۔

سو میں سے کتنے

اس وقت دنیا کی آبادی لگ بھگ ۷ ارب ۸۲ کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ سب کی معلومات اور ضروریات کا احاطہ کرنا کافی مشکل کام ہے مگر پھر بھی کسی ماہر شماریات نے درج ذیل فی صدی اعداد و شمار اخذ کیے ہیں۔ جزاہ اللہ خیر ا۔

11 فی صد لوگ یورپ میں

5 فی صد لوگ شمالی امریکہ میں

9 فی صد جنوبی امریکہ میں

15 فی صد افریقہ میں اور

60 فی صد لوگ ایشیائی ملکوں میں بستے ہیں۔

*

49 فی صد آبادی دیہاتوں میں

51 فی صد آبادی شہروں میں بستی ہے۔

*

12 فی صد لوگ چینی زبان

5 فی صد ہسپانوی

5 فی صد انگریزی

3فی صد عربی

3فی صد ہندی

3فی صد بنگالی

3فی صد پرتگیزی

2فی صد روسی

2فیصد جاپانی اور

62فی صد لوگ اپنی اپنی علاقائی زبانیں بولتے ہیں۔

٭

77 فی صد لوگ اپنے گھروں میں بستے ہیں جبکہ

23فی صد لوگ ذاتی رہائش نہیں رکھتے۔

٭

21 فی صد کھانے میں افراط والے ہیں جبکہ

63فی صد لوگ مکمل گزارہ کرتے ہیں

15فی صد لوگ غذائی کمی کا شکار اور

1فی صد لوگ ایک کھاچکے تو دوسرا نہیں۔

٭

48 فی صد لوگوں کا یومی خرچہ دو ڈالر سے کم ہے۔

*

87 فی صد لوگوں کے پاس پانی کے وسائل ہیں

13 فی صد پانی کی قلت کا شکار یا گدلا پانی پینے پر مجبور۔

*

7 فی صد آبادی یونیورسٹی تک تعلیم یافتہ ہے جبکہ

93فی صد لوگ اس سے کم۔

*

83 فی صد لوگ لکھنا پڑھنا جاننے والے

17 فی صد ان پڑھ۔

*

33 فی صد عیسائی

22فی صد مسلمان

14 فی صد ہندو

7فی صد بودھسٹ

12 فی صد دیگر مختلف مذاہب

12 فی صد کسی مذہبی عقیدے سے آزاد۔

*

75 فی صد لوگ موبائل سے فیض یاب

25 فی صد لوگ ابھی بھی محروم ۔

*

30 فی صد لوگ انٹرنیٹ سے جڑے ہوئے

70 فی صد لوگ انٹرنیٹ کیلیے کالنگ سروس کے محتاج۔

*

26 فی صد لوگ ۱۴ سال سے بھی کم عمر پاتے ہیں

66 فی صد ۱۵ سے ۶۴ سال کی عمر

8 فی صد لوگ ۶۵ سال سے زیادہ عمر پانے والے۔

* * * * * * * * *

اگر آپ کا ذاتی گھر ہے، کھانے پینے کیلیئے پورا گزارہ ہے، پینے کا صاف پانی میسر ہے، موبائل فون کی سہولت حاصل ہے، انٹرنیٹ تک رسائی ہے: تو مبارک ہو کہ آپ اس دنیا کے ۱۰۰ میں سے ۷ اعلی درجے کی آبادی والے لوگوں میں شامل ہونے والے شخص ہیں۔

* * * * * * * *

اگر آپ ٦٤ سال تک جینے کے بعد ٦٥ ویں سال میں داخل ہو چکے ہیں تو آپ اس دنیا کے ۸ فی صد خوش قسمت ترین لوگوں میں سے ایک ہیں۔ اللہ سے راضی رہیں، زندگی کا ہر لحظہ لطف لیں اور ہر لمحے کو اللہ کی عبادت اور اطاعت سے مفید و یادگار بنائیں۔

اہل ہند میں عربی زبان وادب کا ذوق

ہندوستان میں عربی کے سب سے بڑے سکالر جن کا لوہا مصر و شام کے اساتذۂ فن نے مانا ہے، وہ علامہ عبد العزیز میمنی راجکوٹی [ت:۱۹۷۸ء] تھے جن کی تصنیف "سمط اللآلي ، أبو العلاء وما إليه" ادبِ عربی کے مآخذ میں شمار ہوتی ہے.

علامہ میمنی کی نظر میں عربی زبان وادب میں مہارت حاصل کرنے کے لئے جن جن کتب کا مطالعہ ضروری ہے ان کا ذکر وہ اکثر اپنی نجی محفلوں میں کرتے تھے، اس حوالے سے شیخ نذیر حسین لکھتے ہیں:

"مولانا میمن درسِ نظامی کے نصابِ تعلیم میں اصلاح وترمیم کی ضرورت شدت سے محسوس کرتے تھے، نحو میں "کافیة" اور "شرح مُلا جامي" جیسی کتابوں کے بجائے "ألفية" کی بعض شروح اور ابن ہشام کی کتابیں پسند کرتے تھے، ابتدائی تعلیم کے لئے امام نووی کی "ریاض الصالحین" کی سفارش کرتے تھے جس میں نورِ نبوت کے علاوہ ادبی چاشنی پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ وہ "سنن أبي داوٗد" کی "کتاب الأدعیة" اور ترمذی کی "کتاب الزهد والرقاق" کے مطالعے کی بھی تاکید کیا کرتے تھے، "تفسیر الجلالین" کے بجائے "جامع البیان" کی افادیت کے قائل تھے، ابن خلدون نے جن کتابوں کو اصولِ فن ادب قرار دیا ہے، ان کے متعلق انہوں نے الندوۃ (دور جدید) میں "میری محسن کتابیں" کے عنوان کے تحت بڑا دلچسپ تبصرہ لکھا تھا، ان کی یہ رائے تھی کہ "الکامل للمبرد" ایک مبتدی کے لئے زیادہ مفید ہے، "أدب الکاتب" کو "الاقتضاب" کے ساتھ پڑھا جائے تو انسان کو ایک محقق لغوی بنا سکتی ہے، "کتاب البیان والتبیین للجاحظ" میں فصیح نظم و نثر کے نمونے ان چاروں سے زیادہ ہیں اور نوادرِ لغت وشعر "أمالي القالي" میں سب سے زیادہ ہیں، ان کے نزدیک حماسات میں

ابو تمام کا "دیوان الحماسة" سب سے عمدہ اور بہتر ہے اور نقدِ شعر کے لئے ابن رشیق کی "کتاب العمدة" بہترین کتاب ہے.

کہا کرتے تھے کہ "الغریب المصنف لابن سلام" اور "إصلاح المنطق لابن السکیت" وہ کتابیں ہیں جن کا یاد ہونا ایک ادیب کے لئے نہایت ضروری ہے."

مولانا عبد العزیز میمنی - رحمہ اللہ - ایک مرتبہ ہندوستان میں عربی ادب کے زوال کی وجوہات پر اپنے ایک شاگرد سے فرمایا تھا:

"ہندوستان کی بد قسمتی یہ ہے کہ ان کے حصے میں ابن عقیل تو آیا نہیں ابن حاجب آگیا، کہاں ابن عقیل کہاں ابن حاجب؟ "کافیة" کوئی نحو سیکھنے کی کتاب ہے؟ پھر مزید ظلم یہ ہوا کہ "کافیة" کی "شرح مُلّا جامي" یہاں مقبول ہو گئی، ملا جامی کوئی نحوی ہیں؟ اسی وجہ سے اہل ہند میں عربی زبان وادب کا ذوق پروان نہ چڑھ سکا."

خدا کا شکر ہر حال میں

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک انجینئر بلڈنگ کی دسویں منزل پر کام کر رہا تھا، ایک مزدود بلڈنگ کے نیچے اپنے کام میں مصروف تھا، انجینئر کو مزدور سے کام تھا کئی مرتبہ اس کو آواز دی لیکن اس نے نہیں سنی انجینئر نے جیب سے ۱۰۰ کا نوٹ نکالا اور نیچے پھینکا

تا کہ مزدور اوپر کی طرف متوجہ ہو جائے لیکن مزدور نے نوٹ اٹھا کر جیب میں ڈالا اور اوپر دیکھے بغیر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

دوسری دفعہ انجینئر نے ۵۰۰ کا نوٹ نکالا اور نیچے پھینکا کہ شاید اس بار مزدور اوپر کی طرف متوجہ ہو جائے مزدور نے پھر سے اوپر دیکھے بغیر نوٹ جیب میں ڈال دیا۔

اب تیسری دفعہ انجینئر نے ایک چھوٹی سی کنکری اٹھائی اور اسے نیچے پھینک دیا کنکری مزدور کے سر پر لگنا تھا کہ اس نے فوراً اوپر کی طرف نگاہ کی تب اس انجینئر نے اسے اپنے کام کے بارے بتایا۔

درحقیقت یہ ہماری زندگی کا المیہ ہے کہ ہمارا مہربان اللہ ہمیشہ ہم پر نعمتوں کی بارش کرتا رہتا ہے کہ شاید ہم سر اٹھا کر اس کا شکریہ ادا کریں، اس کی باتیں سنیں، لیکن ہم اس طرح اس کی بات سننے کے قائل نہیں ہوتے، لیکن جوں ہی ہمیں کسی پریشانی، یا مصیبت سے سابقہ پڑا فوراً اس ذات کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، ہمیں صرف مشکلات میں خدا یاد آتا ہے، پس ہمیں چاہئیے کہ ہر وقت، جب بھی پروردگار کی طرف سے کوئی نعمت ہم تک پہنچے فوراً اس کا شکریہ ادا کریں شکریہ ادا کرنے اور خدا کی بات سننے کے لیے سر پر کنکری لگنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔

ترقی کا راز

پچانوے فیصد سے زیادہ امریکی رات کا کھانا سات بجے تک کھا لیتے ہیں *
آٹھ بجے تک بستر میں ہوتے ہیں اور صبح پانچ بجے سے پہلے بیدار ہو جاتے ہیں۔
بڑے سے بڑا ڈاکٹر چھ بجے صبح ہسپتال میں موجود ہوتا ہے پورے یورپ امریکہ جاپان آسٹریلیا اور سنگاپور میں کوئی دفتر، کارخانہ، ادارہ، ہسپتال ایسا نہیں جہاں اگر ڈیوٹی کا وقت نو بجے ہے تو لوگ ساڑھے نو بجے آئیں!
آجکل چین دنیا کی دوسری بڑی طاقت بن چکی ہے پوری قوم صبح چھ سے سات بجے ناشتہ اور دوپہر ساڑھے گیارہ بجے لنچ اور شام سات بجے تک ڈنر کر چکی ہوتی ہے۔
* اللہ کی سنت کسی کیلیئے نہیں بدلتی اسکا کوئی رشتہ دار نہیں نہ اس نے کسی کو جنا، نہ کسی نے اس کو جنا جو محنت کریگا تو وہ کامیاب ہو گا عیسائی ورکر تھامسن میٹکاف سات بجے دفتر پہنچ جایئگا تو دن کے ایک بجے تولیہ بردار کنیزوں سے چہرہ صاف کروانے والا، بہادر شاہ ظفر مسلمان بادشاہ ہی کیوں نہ ہو 'ناکام رہے گا*
بدر میں فرشتے نصرت کیلیئے اتارے گئے تھے لیکن اس سے پہلے مسلمان پانی کے چشموں پر قبضہ کر چکے تھے جو آسان کام نہیں تھا اور خدا کے محبوبؐ رات بھر یا تو پالیسی بناتے رہے یا سجدے میں پڑے رہے تھے!

حیرت ہے ان حاطب اللیل دانش وروں پر جو یہ کہہ کر قوم کو مزید افیون کھلا رہے ہیں کہ پاکستان ستائیسویں رمضان کو بنا تھا کوئی اسکا بال بیکا نہیں کر سکتا کیا سلطنتِ خدا داد پاکستان اللہ کی رشتہ دار تھی اور کیا سلطنت خداداد میسور اللہ کی دشمن تھی۔۔(ٹیپو سلطان کی سلطنت)

جس ملک کے ووٹر ذہنی غلام ہوں، پیر اور شاہ غنڈے ہوں مولوی منافق ہوں، ادارے کرپٹ ہوں، ڈاکٹر بے ایمان ہوں، سیاستدان ،وکیل اور پولیس ڈاکو ہوں، کچہری بیٹھک ہو جج بے اعتبار ہوں، لکھاری خوشامدی ہوں، اداکار بھانڈ ہوں، ٹی وی چینل مسخرے ہوں، تاجر بے ایمان اور سود خور ہوں، اساتذہ حرام خور ہوں، دکاندار چور ہوں، عوام ہے کرام ہوں اور جہاں تین سال کی بچی سے پچاس سال تک کی عورتوں ریپ عام ہو اور مجرموں کو سیاسی دباؤ میں آکر چھوڑ دیا جائے۔

اسلام آباد مرکزی حکومت کے دفاتر ہیں یا صوبوں کے دفاتر یا نیم سرکاری ادارے،، ہر جگہ لال قلعہ کی طرز زندگی کا دور دورہ ہے،، کتنے وزیر کتنے سیکرٹری کتنے انجینئر کتنے ڈاکٹر کتنے پولیس افسر کتنے ڈی سی او کتنے کلرک آٹھ بجے ڈیوٹی پر موجود ہوتے ہیں؟

کیا اس قوم کو تباہ وبرباد ہونے سے دنیا کی کوئی قوم بچا سکتی ہے جس میں کسی کو تو اس لئے مسند پر نہیں بٹھایا جاسکتا کہ وہ دوپہر سے پہلے اٹھتا ہی نہیں، اور کوئی اس پر فخر کرتا ہے

کہ وہ دوپہر کو اٹھتا ہے لیکن سہ پہر تک ریموٹ کنٹرول کھلونوں سے دل بہلاتا ہے، جبکہ کچھ کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ دوپہر کے تین بجے اٹھتے ہیں،،

* جو بھی کام آپ دوپہر کو زوال کے وقت شروع کریں گے وہ زوال ہی کی طرف جائے گا. کبھی بھی اس میں برکت اور ترقی نہیں ہو گی. *

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے بچپن کا واقعہ

دلی میں ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، یہ مغل بادشاہوں کے پیر سمجھے جاتے ہیں، میں نے ان کا مزار دیکھا، قطب مینار کے بالکل قریب ہے، انہی کے نام پر قطب مینار بنایا گیا، نام تو تھا قطب الدین لیکن کاکی کا لفظ ساتھ کہا جاتا ہے، کاکی ہندی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مطلب روٹی ہوتا ہے، تو ان کا پورا نام قطب الدین بختیار کاکی تھا.

ان کے بچپن کا مشہور واقعہ ہے کہ جب انہوں نے مدرسہ جانا شروع کیا تو ماں باپ نے سوچا کہ کیوں نہ ہم اپنے بچے کی اچھی تربیت کریں، سب سے پہلے اس بچے کے دل میں یہ بات بٹھائی جائے کہ اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالی کی طرف رجوع کرے، یعنی اس کو توحید سکھائیں، یہ ہر چیز اللہ سے مانگے، ہر وقت اللہ سے مانگے، تاکہ اس کے دل میں

اللہ کے ساتھ توکل پیدا ہو جائے، اس کی نگاہیں مخلوق کی بجائے خالق کے ساتھ جڑی رہیں، چنانچہ ماں نے کہا اچھا میں ایک حیلہ کرتی ہوں تا کہ اس بچے کے دل میں اللہ تعالی کی طرف رجحان پیدا ہو جائے، اگلے دن جب بچہ مدرسہ گیا اور واپس آیا تو ماں نے کھانا پکا کر پہلے کسی بستر میں چھپا دیا، بچے نے کہا امی مجھے بھوک لگی ہے مجھے کھانا دے، اس نے کہا بیٹا! کھانا تو اللہ سے مانگو، وہی دے گا، بچے نے کہا، امی! اللہ تعالی سے کیسے مانگتے ہیں؟ کہا بیٹا! یہ مصلیٰ بچھاؤ اور یہاں بیٹھ کر اللہ سے دعا مانگو تو اللہ تعالی بھیج دیں گے، وہ چھوٹا معصوم سا بچہ مصلی بچھاتا ہے اور اس کے اوپر بیٹھ کر اپنے معصوم ہاتھ پھیلا کر بڑی لجاجت سے دعا مانگتا ہے، اے اللہ! میں بھوکا ہوں میں ابھی مدرسہ سے آیا ہوں اے اللہ! مجھے بھوک لگی ہے تو مجھے کھانا دے دے، اے اللہ! تو مجھے کھانا دے دے، مجھے بھوک لگی ہے، بچہ اپنی پیاری معصوم زبان سے یہ دعا مانگ رہا ہے اور ماں سکھا رہی ہے، جب بچہ دعا مانگ چکا تو ماں نے کہا بیٹا! دیکھو تمہاری روٹی کہیں نہ کہیں اللہ نے رکھوادی ہو گی، چنانچہ بچے نے ڈھونڈا تو بستر میں اسے روٹی مل گئی، بچے نے خوش ہو کر کھالی، یہ روزانہ کا معمول بن گیا، ماں خود روٹی پکا کر کبھی الماری میں چھپا دیتی، کبھی کسی بستر میں چھپا دیتی، بچہ آتا مصلی بچھاتا، بیٹھ کر اپنے معصوم ہاتھ پھیلا کر دعا مانگتا کہ اے اللہ! مجھے بھوک لگی ہے مجھے روٹی دے دے، جب بچہ دعا مانگتا تو پھر اسے ڈھونڈنے

سے روٹی مل جاتی، ماں کا دل خوش ہوتا کہ میرے بچے کی توجہ اللہ کی طرف ہو رہی ہے .

ایک دفعہ وہ ماں اپنے رشتہ داروں کے گھر کسی کام کی غرض سے چلی گئی، وہاں گئی تو ایسی مصروف ہوئی کہ اس کو بات ہی بھول گئی، جب خیال آیا تو کہا اوہو! بچہ تو مدرسہ سے واپس آچکا ہوگا، میرے بیٹے کو تو بھوک لگی ہوگی، اور میں تو آج کھانا پکا کر نہیں رکھ آئی، پتہ نہیں آج کیا معاطہ بنے گا، اب آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں اور دل پریشان ہے، تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی اور دعائیں مانگتی ہوتی جارہی ہے، اے اللہ! میں نے تو اپنے بچے کا یقین اور ایمان تیرے ساتھ مضبوط بنایا تھا مجھ سے خطا ہوئی میں بھول گئی میں اس کیلئے کھانا پکا کر نہیں رکھ سکی میرا بیٹا آیا ہوگا اس نے دعا مانگی ہوگی اے اللہ! تو میرے راز کو فاش نہ کرنا، چنانچہ ماں رو بھی رہی تھی اور گھر کی طرف بھی چل رہی تھی، جب گھر پہنچی تو دیکھتی ہے کہ اس کا بیٹا تو بڑے مزے کی نیند سو رہا ہے، وہ سوچنے لگی کہ بھوکا تھا شاید اسی لیے سو گیا، اس نے جلدی سے روٹی بنائی اور ایک جگہ چھپا دی، اتنے میں بچہ اٹھا ماں نے کہا بیٹا تجھے تو بہت بھوک لگی ہوگی، اس نے کہا امی! میں مدرسہ سے آیا تھا اور میں نے مصلی بچھا کر اللہ تعالی سے دعا مانگی اے اللہ! مجھے بھوک لگی ہے تو مجھے روٹی دے دے، آج امی بھی نہیں ہے تو مجھے اچھی سی روٹی دے

دے اور جب میں نے ادھر ادھر دیکھا تو مجھے بستر میں پڑا ہوا ایسا کھانا ملا کہ امی! جو مزہ مجھے آج آیا ہے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔

دیکھا، یوں ایک وقت تھا جب مائیں اپنے بچہ کا یقین بنایا کرتی تھیں .

لمحہ فکر

آج ہے کوئی ماں جو کہے کہ میں بچے کا یقین اللہ کے ساتھ بناتی ہوں؟ ہے کوئی ماں جو کہے کہ میں تو صبح شام کھانا کھلاتے ہوئے اپنے بچے کو ترغیب دیتی ہوں کہ ہر حال میں سچ بولنا ہے؟ ان چیزوں کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی، باپ ذرا سی نصیحت کر دے تو ماں فوراً کہتی ہے بڑا ہو گا تو ٹھیک ہو جائے گا، حالانکہ بچپن کی بری عادتیں بچپن میں بھی نہیں چھوٹتیں، آج تربیت نہ ہونے کی وجہ سے اولاد جب بڑی ہوتی ہے تو وہ اپنے باپ سے یوں نفرت کرتی ہے جیسے کہ پاپ سے نفرت کی جاتی ہے، ایک وقت تھا کہ عورت صبح کی نماز پڑھا کرتی تھی اور بچوں کو اپنی گود میں لیکر بھی سورۃ یسین پڑھ رہی ہوتی تھی، کبھی سورۃ واقعہ پڑھ رہی ہوتی تھی اس وقت بچے کے دل میں انوارات اتر رہے ہوتے تھے، آج وہ مائیں کہاں گئیں جو صبح کے وقت بچے کو گود میں لے کر قرآن پڑھا کرتی تھیں؟ آج تو سورج نکل جاتا ہے مگر بچہ بھی سویا ہوا ہوتا ہے ماں بھی سوئی ہوئی ہوتی ہے، شام کا وقت ہوتا ہے بچے کو ماں نے گود میں ڈالے اور سینے سے لگا کر دودھ پلا رہی ہے ساتھ ہی بیٹھی ٹی وی پر ڈرامہ دیکھ رہی ہے، اے ماں! جب تو ڈرامے میں غیر

محرم مردوں کو دیکھے گی موسیقی سنے گی اور غلط کام کرے گی اور اسی حالت میں بیٹے کو دودھ پلائے گی تو تیرا بیٹا جنید بغدادی کیسے بنے گا! بتا کہ تیرا بیٹا عبد القادر جیلانی کیسے بنے گا.؟

تھوڑی سا مسکرائیں۔۔۔۔

ایک بڑی کمپنی نے اپنے ورکرز کے لیے ایک جھیل کے کنارے سیر و تفریح کا انتظام کیا۔ یہ جھیل مگرمچھوں سے بھری ہوئی تھی۔ کمپنی نے بطور تفریح لوگوں سے کہا: جو صحیح سالم اس جھیل کو پار کرلے گا اسے دس لاکھ ڈالر انعام ملے گا اور اگر اسے مگرمچھ نے نگل لیا تو اس کے ورثاء کو دس لاکھ ڈالر ملے گا۔

ورکرز میں سے کسی کی ہمت نہیں ہوئی لیکن اچانک ان میں سے ایک شخص نے جھیل میں چھلانگ لگائی اور ہانپتے کانپتے بحفاظت پار کرلیا۔

اس مقابلے میں کامیاب ہوکر وہ آدمی اپنے گاؤں کا کروڑپتی بن گیا لیکن اس نے معلوم کرنا چاہا کہ آخر کس نے اسے دھکا دیا تھا بالآخر اسے معلوم ہوا کہ وہ اس کی بیوی تھی جس نے اسے پیچھے سے دھکا دیا تھا. اسی وقت سے یہ مقولہ مشہور ہوگیا کہ....

((ہر بڑے آدمی کے پیچھے ایک عورت ہوتی ہے))

ضرورت نہیں ہے!

۱۔کان میں سرگوشی... جب سرگوشی کہا گیا تو"کان میں" کہنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔انڈے کی طرح بیضوی... جب بیضوی کہا جائے تو "انڈے کی طرح" کہنے کی ضرورت نہیں۔

۳۔پھولوں کا گلدستہ...جب گلدستہ کہا جائے تو"پھولوں کا" کہنے کی ضرورت نہیں۔

۴۔آب زم زم کا پانی...جب آبِ زم زم کہا جائے تو"پانی" کہنے کی ضرورت نہیں۔

۵۔شب قدر کی رات...جب"شب قدر" کہا جائے تو "رات" کہنے کی ضرورت نہیں۔

۶۔'حجراسود کا پتھر...جب"حجراسود" یا سنگ مرمر کہا جائے تو "پتھر" کہنے کی ضرورت نہیں۔

۷۔ نوشتہ دیوار پر لکھا ہے...جب"نَوِشْتَہ" کہا جائے تو"لکھا ہے" کہنے کی ضرورت نہیں۔(نوشتہ کا درست تلفظ بروزن فرشتہ ہے)

۸۔ ہونٹوں پر زیرلب مسکراہٹ... جب ''زیرلب'' کہا جائے تو ''ہونٹوں پر'' کہنے کی ضرورت نہیں۔

۹۔ گندے پانی کا جوہڑ... جب ''جوہڑ'' کہہ دیا تو ''گندے پانی'' کہنے کی ضرورت نہیں۔

۱۰۔ پانی کا تالاب... تالاب میں خود آب موجود ہے۔ ''پانی کا'' کہنے کی ضرورت نہیں۔

۱۱۔ صبح تا شام تک، دس تا بارہ سال تک!... جب ''تا'' کہا جائے تو ''تک'' کہنے کی ضرورت نہیں۔

۱۲۔ بہترین نعم البدل... جب ''نعم البدل'' کہہ دیا تو ''بہترین'' کہنے کی ضرورت نہیں۔

۱۳۔ نمک پاشی چھڑکنا... جب ''نمک پاشی'' کہہ دیا تو مزید نمک ''چھڑکنے'' کی کوئی ضرورت نہیں۔

۱۴۔ زیادہ بہترین... جب بہتر یا بہترین کہا جائے تو ''زیادہ'' یا ''بہت'' کہنے کی ضرورت نہیں۔

۱۵۔ فی الحال ابھی میں نہیں آسکوں گا!... جب ''فی الحال'' کہہ دیا تو ''ابھی'' کہنے کی ضرورت نہیں۔

۱۶۔ ناجائز تجاوزات... جب ''تجاوزات'' کہہ دیا تو ''ناجائز'' کہنے کی ضرورت نہیں۔

۱۷۔ ایصال ثواب پہنچانا... جب ''ایصال'' کہہ دیا تو ''پہنچانا'' کہنے کی ضرورت نہیں۔

۱۸۔ قابلِ گردن زَدنی... صرف ''گردن زَدنی' ' کہنا کافی ہے، قابل کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

۱۹۔ ابھر کر سامنے آئے ہیں... جب ''ابھر'' ہی گئے ہیں تو ''سامنے آنے'' کی کوئی ضرورت نہیں۔

۲۰۔ تاہنوز... جب ''ہنوز'' کہا جائے تو ''تا'' کہنے کی ضرورت نہیں۔

۲۱۔ آنکھیں نمدیدہ ہو گئیں!... جب ''نم دیدہ'' کہا جائے تو ''آنکھیں'' کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

۲۔ روز افزوں بڑھنا... جب ''افزوں'' کہا جائے تو ''بڑھنا'' کہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

۲۳۔ نئی جدت... جب ''جدت'' کہا جائے تو ''نئی'' کہنے کی ضرورت نہیں۔

۲۲۔ سوچی سمجھی سازش... جب ''سازش'' کہا جائے تو ''سوچی سمجھی'' کہنے کی کچھ خاص ضرورت نہیں۔

وہ کھڑکی جو ۱۴۰۰ سال سے
کبھی بند نہیں ہوئی*"!

اگر آپ مواجہہ شریف پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرنے کے لیے کھڑے ہوں اور اپنے پیچھے نظر ڈالیں تو آپ کو ایک بڑی کھڑکی نظر آئے گی، یہ کھڑکی ۱۴۰۰ سال سے بند نہیں ہوئی۔ کیونکہ ایک عظیم صحابی نے اپنی بیٹی سے وعدہ کر رکھا ہے کہ یہ کھڑکی ہمیشہ کھلی رہے گی، اور یہ آج بھی کھلی ہے۔ یہ اب تک کا سب سے بڑا اور طویل وعدہ ہے۔

سنہ ۱۷ ھجری میں اسلامی فتوحات کے نتیجے میں مسلمانوں کی کثیر تعداد کی وجہ سے خلیفہ دوم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی توسیع کا حکم دیا لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ایک بڑی مشکل درپیش تھی۔ وہ یہ کہ ام المؤمنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کا حجرہ جنوبی جانب اس جگہ واقع تھا، جہاں اب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صلوٰۃ وسلام کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا۔ اور اگر ہم یہ دیکھیں کہ

یہ کمرہ جنوب کی طرف اکیلا ہے اور مسجد کے لیے اسی جانب توسیع کرنا پڑ رہی تھی، اس لیے سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے حجرے کا ہٹانا ضروری تھا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو اس حجرے کے خالی کرنے پہ کیسے آمادہ کیا جائے، جس میں ان کے شوہر صلی اللہ علیہ وسلم سویا کرتے تھے ؟

سو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی کے پاس آتے ہیں کہ انہیں اس بات پر آمادہ کیا جائے لیکن ام المؤمنین یہ سن کر پھوٹ کر رو پڑیں اور اپنے اس شرف و عزت بھرے حجرے سے نکلنے سے انکار کر دیا جس میں ان کے محبوب شوہر صلّی اللہ علیہ وسلم آرام فرمایا کرتے تھے، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے واپس لوٹ آئے اور دو دن بعد دوبارہ یہی کوشش کی یہ لیکن معاملہ جوں کا توں تھا، ام المومنین دوٹوک انکار کرتی جا رہی تھیں اور کوئی بھی انہیں اس بات پہ آمادہ کرنے کی کامیاب کوشش نہیں کر پا رہا تھا۔

اب دیگر اصحاب رسول بھی ام المؤمنین کو راضی کرنے کے لیے کوشاں ہوئے، لیکن ام المومنین نے مختلف طریقوں سے انکار کر دیا، کیونکہ وہ ایک شرف و عزت والے حجرے میں رہ رہی تھیں جہاں فقط ایک دیوار کے پار ان کے محبوب شوہر کی قبر مبارک تھی۔ وہ کیسے مطمئن ہو سکتی تھیں کہ انہیں اس سے دور کر دیا جائے ؟ اب کے بار سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر عمر بڑی خواتین ساتھیوں نے مداخلت کی، لیکن سیدہ حفصہ

نے ایک بڑی شرط کے علاوہ اپنا فیصلہ ترک کرنے سے انکار کر دیا، اور وہ شرط یہی تھی کہ ان کے لیے ایک کھڑکی کھول دی جائے جہاں سے وہ اپنے محبوب شوہر صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو دیکھتی رہیں اور وہ کبھی بند بھی نہیں ہو گی۔ چنانچہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ شرط مان لی اور یہ وعدہ بھی کر لیا اور یہ وعدہ آج تک قائم ہے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے ۱۴۰۰ سال بعد بھی یہ کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔

اس کھڑکی کے متعدد نام "خوخہ حفصہ" اور "خوخہ عمر" ہیں جنہیں امام سیوطی اور ابن کثیر نے ذکر کیا ہے۔

آج تک جو بھی مسجد نبوی کا متولی بنا ہے، اس نے اس کھڑکی کی دیکھ بھال کی اور اس وقت سے لے کر آج تک حضرت فاروق عمر رضی اللہ عنہ کا وعدہ پورا کیا کہ یہ کبھی بند نہیں ہوئی۔

نمرود کی طرح لبرل صحافی لاجواب

مشہور سابق برطانوی سنگر Cat Stevens (یوسف اِسلام) ترکی کے دورے پہ آئے اہلیہ کے ہمراہ۔ ایک لبرل صحافی نے چبھتا ہوا سوال پوچھا کہ آپ بحیثیتِ ایک

یورپی سنگر اور روشن خیال شخصیت کے کیا یہ پسند کریں گے کہ قبول اسلام کے بعد چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کریں؟ آپ جیسی شخصیت کی عقل اسے کیسے تسلیم کرے گی؟ کیا یہ کوئی لوجیکل بات ہے؟ یہ خواتین کے ساتھ ظلم نہیں؟

یوسف صاحب حسب عادت مسکرائے اور کچھ توقف کے بعد فرمایا کہ آپ کا یہ سوال میرے قبول اسلام سے پہلی والی حالت کے متعلق ہونا چاہئے نہ کہ موجودہ حالت پہ۔

کیوں؟

اس لئے کہ اسلام سے پہلے میرے جن عورتوں سے تعلقات تھے، ان کی درست تعداد بھی مجھے یاد نہیں اور ان میں سے کتنی عورتوں سے میری کتنی اولاد ہوئی، یہ بھی مجھے نہیں معلوم۔ وہ بچے کہاں اور کس حال میں ہیں، میں کچھ نہیں جانتا۔ تو یہ سوال پہلی والی حالت پہ وارد ہوتا ہے نہ کہ اب۔ اب تو میں الحمدللہ مسلمان ہوں۔ میری ایک ہی بیوی ہے۔ اس کے ساتھ میں خوش ہوں۔ اس کے ہوتے دوسری شادی کا کوئی خیال بھی نہیں۔ اسلام نے کب مجھے پابند کیا ہے کہ مجھے دوسری شادی کرنی ہے۔ تیسری اور چوتھی کا سوال ہی نہیں۔ اگر بالفرض میں شادیاں کر بھی لوں تو اسلام نے بیوی اور اولاد کی تمام تر ذمہ داریاں نبھانے کا بھی مجھے پابند کیا ہے۔ اس پہ تو میرے دوست! تجھے اعتراض اور پریشانی ہے۔ لیکن میرے ان بچوں کی کوئی فکر نہیں جنہیں میں آج جانتا بھی نہیں۔ پتہ نہیں کہاں پل رہے ہیں یا زندگی سے ہی محروم ہو چکے ہیں۔

کیا چار بیویاں رکھ کر ان کی کفالت اور اولاد کی تربیت کرنا بہتر ہے یا سینکڑوں عورتوں کو استعمال کر کے ان سے ہونے والی اولاد سے لاتعلق ہونا؟ اور انہیں اندھیری راہوں کے سپرد کرنا؟ ان دو میں سے بتایئے انسانیت دشمنی کس میں ہے اور دوستی کس میں؟ کونسا خواتین کے ساتھ ظلم ہے اور کس میں انصاف؟

یہ سن کر نمرود کی طرح لبرل صحافی لاجواب ہو گیا۔

اہل تشیع سے ایک علمی گفتگو

اہل تشیع اپنے مسلک کے اعتبار سے بڑے علمی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے پاس کافی معلومات بھی تھیں۔ اس کے بقول میرے ان سوالات کا جواب کسی مولوی کے پاس نہیں ہے۔

میں نے اس سے جب ملاقات کی تو اس کی ہر ہر ادا سے گویا علماء سے حتیٰ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی نفرت و حقارت کی جھلک واضح تھی۔

میرے استاد محترم نے میزبان ہونے کی حیثیت سے بڑے اخلاق سے بٹھایا۔ تھوڑی دیر حال احوال دریافت کرنے کے بعد گفتگو شروع ہو گئی۔

اس کا پہلا سوال ہی بزعم خود بڑا جاندار تھا اور وہ یہ کہ تم ابو بکر کو نبی کا خلیفہ کیوں مانتے ہو؟۔ ہم تو ابو بکر کو خلیفہ رسول اسلیئے نہیں مانتے کہ انہوں نے سیّدہ کائنات، خاتون جنت کو ان کا حق نہیں دیا تھا۔ بلکہ ان کا حق غصب کر لیا تھا۔

میں نے کہا ذرا کھل کر بولیں جو آپ کہنا چاہ رہے ہیں۔ اور اس حق کی وضاحت کر دیں کہ وہ حق کیا تھا؟۔

کہنے لگا وہ، باغ فدک؛ جو حضور ﷺ نے وراثت میں چھوڑا تھا۔ وہ حضور ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ کو ملنا تھا۔ لیکن وہ باغ انہیں ابو بکر نے نہیں دیا تھا۔

یہ صرف میرا دعویٰ ہی نہیں بلکہ میرے پاس اس دعوے ہر مسلک کی کتابوں سے ایسے وزنی دلائل موجود ہیں جنہیں آپ کا کوئی عالم جھٹلا نہیں سکتا۔

یہ بات اس نے بڑے پر اعتماد اور مضبوط انداز میں کہی۔

مزید اس نے کہا کہ میری بات کے ثبوت کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ باغ فدک؛ آج بھی سعودی حکومت کے زیر تصرف ہے۔ اور وہ حکومتی مصارف کیلئے وقف ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آج تک آل رسول کو ان کا حق نہیں ملا ہے۔

اب آپ ہی بتائیں جنہوں نے آل رسول کے ساتھ یہ کیا ہو ہم انہیں کیسے خلیفہ رسول تسلیم کر لیں؟ میں نے اس کی گفتگو بڑے تحمل سے سنی۔ اور اس کا اعتراض سن کر میں

نے پوچھا کہ آپ کا سوال مکمل ہو گیا یا کچھ باقی ہے؟وہ کہنے لگا میرا سوال مکمل ہو گیا ہے اب آپ جواب دیں۔

میں نے عرض کیا کہ آپ نبی کریم ﷺ کے بعد پہلا خلیفہ کن کو مانتے ہو؟

وہ کہنے لگا ہم مولیٰ علی کو خلیفہ بلا فصل مانتے ہیں۔

میں نے کہا کہ عوام و خواص کے جان و مال اور ان کے حقوق کا تحفظ خلیفۃ المسلمین کی ذمہ داری ہوتی ہے کسی اور کی نہیں۔مجھے آپ پر تعجب ہو رہا ہے کہ آپ خلیفہ بلا فصل تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو مان رہے ہیں اور اعتراض سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پر کر رہے ہیں۔ یا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پہلا خلیفہ مانو پھر آپ کا ان پر اعتراض کرنے کا کسی حد تک جواز بھی بنتا ہے ورنہ جن کو آپ پہلا خلیفہ مانتے ہو یہ اعتراض بھی انہی پر کر سکتے ہو کہ آپ کی خلافت کے زمانے میں خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا حق کیوں مارا گیا؟

میری بات سن کر اسے حیرت کا ایک جھٹکا لگا مگر ساتھ ہی اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا جی بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ہاں مولیٰ علی کی خلافت ظاہری آپ کے خلفاء ثلاثہ کے بعد شروع ہوتی ہے اس سے پہلے تو ہم ان کی خلافت کو غصب مانتے ہیں یعنی آپ کے خلفائے ثلاثہ نے مولیٰ علی کی خلافت کو ظاہری طور پر غصب کیا ہوا تھا۔ اسلیئے مولیٰ علی تو اس وقت مجبور تھے وہ یہ حق کیسے دے سکتے تھے؟۔

اس کی یہ تاویل سن کر میں نے کہا عزیزم! میرے تعجب میں آپ نے مزید اضافہ کر دیا ہے ایک طرف تو آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ مولیٰ علی مشکل کشا ہیں۔ عجیب بات ہے کہ انہیں کے گھر کی ایک کے بعد دوسری مشکل آپ نے ذکر کر دی یعنی ان کی زوجہ محترمہ کا حق مارا گیا لیکن وہ مجبور تھے اور وہ مشکل کشا ہونے کے باوجود ان کی مشکل کشائی نہ کر سکے۔ پھر ان کا اپنا حق (خلافت) غصب ہوا لیکن وہ خود اپنی مشکل کشائی بھی نہ کر سکے۔ یا تو ان کی مشکل کشائی کا انکار کر دو اور اگر انہیں مشکل کشا مانتے ہو تو یہ من گھڑت باتیں کہنا چھوڑ دو کہ طاقتوروں نے ان کے حقوق غصب کر لیئے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض والمحال آپ کی یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ اصحاب ثلاثہ نے ان کی خلافت غصب کر لی تھی، اب سوال یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے بعد جب أمیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو ظاہری خلافت مل گئی اور ان کی شہادت کے بعد انہی کے صاحبزادے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو کیا اس وقت انہوں نے باغ فدک لے لیا تھا؟

جب آپ کے بقول وہ خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں غصب کیا گیا تھا، اب تو انہی کی حکومت تھی جن کا حق غصب کیا گیا۔ لیکن انہوں نے اپنی حکومت ہونے کے باوجود اس حق کو کیوں چھوڑ دیا تھا؟۔ آج بھی آپ کے بقول وہ سعودی حکومت کے زیر اثر ہے تو بھائی وہ باغ جن کا حق تھا جب انہوں نے چھوڑ دیا ہے تو آپ بھی اب مہربانی کر

کے ان قصّوں کو چھوڑ دیں اور اگر آپ کا اعتراض سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ہے کہ ان کی ظاہری خلافت میں آل رسول کو باغ فدک کیوں نہیں ملا؟ تو یہی اعتراض آپ کا اَمیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ پر بھی ہو گا کہ ان کی ظاہری خلافت میں آل رسول کو باغ فدک کیوں نہیں ملا؟؟؟

میری بات سن کہ وہ کچھ سوچنے لگا مگر میں نے اسی لمحہ اس پر ایک اور سوال کر دیا کہ آپ یہ بتائیں کہ وراثت صرف اولاد کو ہی ملتی ہے یا بیویوں اور دوسرے ورثاء کو بھی ملتی ہے؟ کہنے لگا۔۔۔بیویوں اور دوسرے ورثاء کو بھی ملتی ہے۔

میں نے کہا پھر آپ کا اعتراض صرف سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے کیوں ہے؟ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے آپ نے کیوں نہیں کہا کہ انہیں بھی وراثت سے محروم رکھا گیا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ازواج مطہرات میں سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور اَمیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ آپ نے خلفاء رسول پر یہ الزام دھرنے سے پہلے کبھی نہیں سوچا کہ اگر انہوں نے نبی ﷺ کی صاحبزادی کو حضور ﷺ کی وراثت نہیں دی تو اپنی صاحبزادیوں کو بھی تو اس سے محروم رکھا ہے۔ میری گفتگو سن کر اب وہ مکمل خاموش تھا۔ ساتھ ہی وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا بھی معلوم ہوا۔

میں نے اسے پھر متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ عزیزم! کب تک ان پاک ہستیوں کے بارے بدگمانی پیدا کرنے والی بے سروپا جھوٹی باتوں کی وجہ سے حقائق سے آنکھیں بند کرکے رکھو گے ؟۔

اب میں تمہیں وہ حقیقت ہی بتادوں جس کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کی وراثت آپ ﷺ کے کسی وارث کو نہیں دی گئی۔ وہ خود جناب رسالت مآب ﷺ کا فرمان ہے؛ **{نحن معشر الانبیاء لانرث ولا نورث، ما ترکنا صدقة}** یعنی ہم انبیاء دنیا کی وراثت میں نہ کسی کے وارث بنتے ہیں اور نہ کوئی ہمارا وارث بنتا ہے۔ ہم جو مال وجائیداد چھوڑتے ہیں وہ امت پر صدقہ ہوتا ہے۔

میں نے اسے کہا عزیزم! یہ وہ مجبوری تھی جس کی وجہ سے أمیر المؤمنین ابو بکر سے لے کر سیّدنا علی اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہم تک کسی بھی خلیفہ نے؛ باغ فدک؛ آل رسول کا حق نہیں سمجھا جسے لے کر آج آپ ان کے درمیان نفرتیں ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں۔

نوجوان اب میری گفتگو سن کر پریشان اور نادم محسوس ہونے لگا۔ پھر انتہائی عاجزی سے اس نے مجھے دیکھا اور گویا ہوا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ آج سے میں اس طرح کے اعتراضات کرنے سے توبہ کرتا ہوں۔ اب

میں رب تعالیٰ سے بھی وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں اپنی سوچ کو مثبت بناوں گا۔

میں نے اس نوجوان کو مبارک دی اور ایک محبت سے بھرپور معانقہ و مصافحہ ہوا۔

پھر وہ نوجوان شکریہ ادا کرتے ہوئے چلا گیا۔

والسلام ۔۔۔۔

یہ جو تحریر آپ نے پڑھ لی ہے میرے بہن بھائیو، یہ ایک لاجواب اور ہزاروں کتابوں سے زیادہ پُر مغز مدلل مضمون ہے براہ کرم اس کو اتنا پھیلا دیجئے کہ حق و سچ ہر ایرے غیرے پر بھی واضح ہو جائے۔ لہذا آپ کی ایک کوشش دوسرے کی رہنمائی کا باعث بن سکتی ہے!!!

امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
جس کی بے باکی حسرت آفریں تھی

امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ ایک عالمِ باعمل، بے باک و نڈر اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے مالا مال ایک خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ شاہ جی بلاشبہ برصغیر پاک و ہند کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ ان کی پوری زندگی

تحفظِ ختم نبوت میں گزری۔ اس مقدس مشن کی خاطر بقول خود ان کی آدھی زندگی جیل میں اور آدھی ریل میں گزری۔

مولانا قاری محمد حنیف صاحب ملتانی اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں کہ میں حج کے لیے مکہ مکرمہ گیا۔ میری ملاقات ایک ولی اللہ مولانا خیر محمد صاحب سے ہوئی جو بہاولپور میں رہتے تھے۔ سارا دن اپنے ہاتھوں سے کام کرتے اور شام کو طالبعلموں کو حدیث پڑھایا کرتے تھے۔ مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ بیت اللہ کا طواف ہو رہا ہے، حضرت آدم علیہ السلام طواف کر رہے ہیں، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام طواف کر رہے ہیں، حضرت کلیم اللہ علیہ السلام طواف کر رہے ہیں، حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام موجود ہیں، انبیائے کرام علیہم السلام کی ایک بڑی جماعت طواف کر رہی ہے اور پیچھے پیچھے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ چل رہے ہیں۔ مولانا خیر محمد صاحب فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ شاہ جیؒ! یہ مرتبہ کیسے ملا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ بیت اللہ کا طواف، تو شاہ جی فرمانے لگے، بس اللہ تعالیٰ نے یوں کریمی فرمادی کہ عطاء اللہ شاہؒ تم نے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے لیے زندگی جیل میں کاٹ دی۔ مصیبتوں اور دکھوں میں گزار دی، اب آ، نبیوں کے ساتھ طواف کی سعادت حاصل کر۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ فرمایا کرتے تھے کہ وفات کے بعد خواب میں مجھے حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی زیارت ہوئی۔ میں نے پوچھا شاہ جی! فرمایئے قبر کا معاملہ کیسا رہا؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ بھائی یہ منزل بہت ہی مشکل ہے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے تحفظ کی برکت سے معافی مل گئی۔

حضرت مولانا محمد علی جالندھری نے فرمایا کہ حضرت مولانا رسول خان جو پاکستان کے بہت بڑے محدث اور استاذ الانام ہیں، نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ کرامؓ میں تشریف فرماہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دستار مبارک لائی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب صدیق اکبرؓ کو حکم دیا کہ "اٹھو اور میرے بیٹے عطاء اللہ شاہ کے سر پر باندھ دو، میں اس سے خوش ہوں کہ اس نے میری ختم نبوت کے لیے بہت سارا کام کیا ہے۔" مولانا فرمایا کرتے تھے کہ آپ نے خود یا اور کسی صحابیؓ کو کیوں حکم نہ دیا کہ بخاری صاحب کے سر پر دستار باندھ دو، بلکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حکم دیا۔ یہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ سب سے پہلے ختم نبوت کا تحفظ مسیلمہ کذاب کے زمانہ میں حضرت صدیق اکبرؓ نے کیا تھا۔ اب پاکستان میں مسیلمۂ پنجاب کا مقابلہ اور ختم نبوت کا تحفظ بخاری صاحب نے کیا۔ گویا ختم نبوت کا ایک محافظ، ختم نبوت کے دوسرے محافظ کو دستار بندی کرادے۔

قادیانی نبوت کے برگ و بار کو خاکستر کرنے والے، انگریزی سامراج کے ایوانوں کو متزلزل کرنے والے، سحر خطابت اور عمل پیہم سے ایمان کی روشنی پھیلانے والے مرد حق آگاہ، حضرت امیر شریعتؒ نے ۱۹۵۰ء میں ختم نبوت کی حفاظت کے متعلق تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

ختم نبوت کی حفاظت میرا جزو ایمان ہے جو شخص بھی اس ردا کو چوری کرے گا، جی نہیں چوری کا حوصلہ کرے گا، میں اس کے گریبان کی دھجیاں بکھیر دوں گا۔ میں میاں صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا نہیں نہ اپنا نہ پرایا، میں انہی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوں، وہی میرے ہیں، جن کے حسن و جمال کو خود ربِ کعبہ نے قسمیں کھا کھا کر آراستہ کیا ہو، میں آں صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال پر نہ مر مٹوں تو لعنت ہے مجھ پر اور لعنت ہے ان پر جو آں صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تو لیتے ہیں لیکن سارقوں (چوروں) کی خیرہ چشمی کا تماشہ دیکھتے ہیں۔

جب شاتم رسول راجپال نے گستاخانہ کتاب لکھی تو شاہ جی علیہ الرحمہ نے لاہور میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

"مسلمانو! میں تمہاری سوئی ہوئی غیرت کو جھنجھوڑنے آیا ہوں۔ آج کفار نے توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انھیں شاید یہ غلط فہمی ہے کہ مسلمان مر چکا ہے۔ آئو اپنی زندگی کا ثبوت دو۔ عزیز نوجوانو! تمھارے دامن کے سارے داغ

صاف ہونے کا وقت آ پہنچا ہے۔ گنبد خضریٰ کے مکین تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔ ان کی آبرو خطرے میں ہے۔ ان کی عزت پر کُتے بھونک رہے ہیں۔ اگر قیامت کے روز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طالب ہو تو پھر توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والی زبان نہ رہے یا پھر سننے والے کان نہ رہیں۔"

مشہور ادیب ڈاکٹر سیّد عبد اللہ لکھتے ہیں کہ اس روز پانی اور آگ یعنی سرد آہوں اور گرم آنسوئوں کے ملاپ سے ان کی تقریر ڈھل رہی تھی۔ شاہ جیؒ نے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"آج آپ لوگ جناب فخر رسل رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کو بر قرار رکھنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ آج اس جلیل القدر ہستی کا وجود معرض خطر میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔ آج کوئی روحانیت کی آنکھ سے دیکھنے والا ہو تو دیکھ سکتا ہے کہ اس دروازے پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ آئیں اور فرمایا کہ ہم تمہاری مائیں ہیں۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں؟" ارے دیکھو! کہیں ام المومنین عائشہؓ دروازے پر تو نہیں کھڑی ہیں؟ (یہ سن کر مجمع پلٹا کھا گیا۔ مسلمانوں میں کہرام مچ گیا اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے) تمہاری محبت کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو لیکن کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آج سبز گنبد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تڑپ رہے ہیں۔ آج خدیجہؓ اور عائشہؓ پریشان ہیں۔ بتائو تمھارے دلوں میں امہات المومنینؓ کی کیا وقعت ہے؟ آج ام المومنین عائشہؓ تم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہی ہے۔ وہی عائشہؓ جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمیرا کہہ کر پکارتے تھے۔ جنھوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی۔ اگر تم خدیجہؓ اور عائشہؓ کے ناموس کی خاطر جانیں دے دو تو کچھ کم فخر کی بات نہیں ہے۔ یاد رکھو! جس روز یہ موت آئے گی، پیام حیات لے کر آئے گی۔ اگر کچھ پاس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرو۔'' یہ کلمات اہل ایمان بالخصوص غازی علم الدین شہیدؒ کے دل کی دھڑکنوں میں ڈھل گئے۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے دوران ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے سیّد عطا اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا:

اگر لا نبی بعدی کا مفہوم سلامت نہیں تو ایمان کے جزو کا کروڑواں حصہ بھی نہیں بچے گا۔ جڑ کو گھن لگے تو شاخ اور پتیاں سلامت نہیں رہتیں۔ عقیدے کو درخت سمجھو۔ جب تک جڑ مضبوط نہ ہو، درخت بار آور نہیں ہو سکتا۔ اب وہ ماں مر گئی ہے جو نبی جنا کرتی تھی۔ مشاطہ ازل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفوں میں وہ کنگھی ہی توڑ ڈالی جو زلف نبوت سنوارا کرتی تھی۔ اب زمانے کے یہ کنڈل یونہی رہیں گے لیکن کسی کنگھی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آیئے ہمارے ساتھ تعاون کیجئے، ایک دن

ہماری بات پورے مسلمانوں کی آواز بن جائے گی، جسے حکومت کو بھی سننا پڑے گا۔ ہمیں اپنے خدا پر پورا یقین اور بھروسہ ہے کہ ہم بھی حالات بدل کر دکھا دیں گے۔ ایک وقت آئے گا کہ جو کچھ آج ہماری زبان پر ہے، پورے مسلمانوں کے دل کی آواز اور دھڑکن ہو گا۔ بس میری مانو! حضور نبی کریمصلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانے بن جائو۔ اس معاملے میں عقل کو جواب دے دو کہ یہ عقل کا نہیں، عشق کا معاملہ ہے۔ صحابۂ کرامؓ بھی صحیح معنوں میں دیوانگان محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ تبھی پوری دنیا پر چھا گئے۔''

مسلمانو! ختم نبوت کے عقیدہ کو یوں سمجھو جیسے یہ ایک مرکزِ دائرہ ہے جس کے چاروں طرف توحید، رسالت، قیامت، ملائکہ کا وجود، صحف سماوی کی صداقت، قرآنِ کریم کی حقانیت و ابدیت، عالم قبر و برزخ، یوم النشور یوم الحساب گردش کرتے ہیں۔ اگر یہ اپنی جگہ سے ہل جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ دین نہیں بچے گا، بات سمجھ میں آئی؟ مزید سمجھیے، جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں، اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مسعود پر ختم ہو جاتا ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت وہ مہر درخشاں ہے جس کے طلوع کے بعد اب کسی روشنی کی مطلق ضرورت نہیں رہی، سب روشنیاں اسی نور اعظم صلی اللہ علیہ وسلم میں مدغم ہو گئی ہیں جبھی تو

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں زندہ ہوتے تو انھیں بھی بجز میری اتباع کے چارۂ کار نہ ہوتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آخر زمانہ میں تشریف لائیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی طرح امتی اور خلیفہ کی حیثیت سے۔ حکومت کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص بھی ختم نبوت کے تخت کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے گا، ہم اس پر قہر الٰہی اور صدیق اکبرؓ کا انتقام بن کر ٹوٹ پڑیں گے۔"

ساری باتوں کو چھوڑیے، لاہور والو! کوئی ہے!" اور یہ کہتے ہوئے اپنے سر سے ٹوپی اتار لی اور ٹوپی کو ہوا میں لہراتے ہوئے نہایت ہی جذبات انگیز الفاظ میں فرمایا، "جائو میری اس ٹوپی کو خواجہ ناظم الدین کے پاس لے جائو۔ میری یہ ٹوپی کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکی، اسے خواجہ صاحب کے قدموں پر ڈال دو۔ اس سے کہو، ہم تیرے سیاسی حریف اور رقیب نہیں ہیں، ہم الیکشن نہیں لڑیں گے، تجھ سے اقتدار نہیں چھینیں گے۔ ہاں ہاں جائو اور میری ٹوپی اس کے قدموں میں ڈال کر یہ بھی کہو کہ اگر پاکستان کے بیت المال میں کوئی سور ہیں تو عطاء اللہ شاہ بخاری تیرے سوروں کا وہ ریوڑ چرانے کے لیے بھی تیار ہے مگر شرط صرف یہ ہے کہ رسول اللہ فداہ ابی و امی کی ختم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا قانون بنا دے۔ کوئی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہ کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستارِ ختم نبوت پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے۔" شاہ جی بول رہے

تھے اور مجمع بے قابو ہو رہا تھا۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ چشم فلک نے اس جیسا سماں بھی کم دیکھا ہو گا۔ عوام و خواص سب رو رہے تھے۔ شاہ جی پر خاص وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔

ہم نے ہر دور میں تقدیسِ رسالت کے لیے
وقت کی تیز ہواؤں سے بغاوت کی ہے
توڑ کر سلسلہ رسم سیاست کا فسوں
اک فقط نام محمدؐ سے محبت کی ہے
ہم نے بدلا ہے زمانے میں محبت کا مزاج
ہم نے ہر دل کو نئی راہ و نوا بخشی ہے
مرحلے بند و سلاسل کے کئی طے کر کے
چہرۂ دار و رسن کو بھی ضیا بخشی ہے

" دنیا میں چار قیمتی چیزیں محبت کے قابل ہیں:
مال، جان، آبرو اور ایمان۔
لیکن... جب جان پر کوئی مصیبت آئے تو مال قربان کرنا چاہیے اور آبرو پر کوئی آفت آئے تو مال اور جان دونوں کو۔ اور اگر ایمان پر کوئی ابتلا آئے تو مال، جان، آبرو سب کو

قربان کرنا چاہیے اور اگر ان سب کے قربان کرنے سے ایمان محفوظ رہتا ہے تو یہ سودا سستا ہے۔“

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

”مرزائیوں کو میں دعوت فکر دیتا ہوں، وہ غور کریں اور اپنے مدعی نبوت اور اس کے خاندان کی فرنگی نوازی دیکھیں کہ یہ انگریز کا درباری نبی کس طرح ہندوستان میں انگریز افسروں کے دربار میں اپنی اور اپنے باپ دادا کی خدمات کے حوالے سے اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے لجاجت، منت و سماجت اور سراپا حاجت بن کر یقین دہانیاں کرتا ہے۔ ظالم تم نے اگر نبوت کا دعویٰ کر ہی لیا تھا اور تم اپنے تئیں نبی بن ہی بیٹھے تھے تو کم از کم اس کے نام و منصب کا وقار ہی قائم رکھا ہوتا اور فرنگی کی چوکھٹ پر جبہ سائی نہ کرتے۔ اپنی جبین نیاز کو عدو اللہ فرنگی کی خاکِ نجس سے آلودہ نہ کرتے:

”اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا“

تجھ سے تو سابق کذاب و دجال مدعیان نبوت ہی بہتر تھے جنھوں نے دعوائے نبوت کے بعد مسلمان بادشاہوں کے درباروں کی راہ تک نہ دیکھی۔ ان کا بھی ایک وقار تھا مگر تجھ سا بے حمیت خطہ ارضی پر کوئی دوسرا نہیں۔“

تصویر کا ایک رخ تو یہ ہے کہ مرزا قادیانی میں یہ کمزوریاں اور عیوب تھے، اس کے نقوش میں توازن نہ تھا۔ قد و قامت میں تناسب نہ تھا، اخلاق کا جنازہ تھا، کردار کی

موت تھا۔ جھوٹ اس کا شیوہ تھا۔ معاملات کا درست نہ تھا۔ بات کا پکا نہ تھا۔ بزدل اور کمزور تھا۔ مسلک کا ٹوڈی تھا۔ تقریر و تحریر ایسی ہے کہ پڑھ کر متلی ہونے لگتی ہے لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر اس میں کوئی کمزوری نہ بھی ہوتی۔ وہ مجسمہ حسن و جمال ہوتا، قویٰ میں تناسب ہوتا، چھاتی ۴۵ انچ ہوتی، کمر ایسی کہ سی آئی کو بھی پتہ نہ چلتا، بہادر بھی ہوتا، مرد میدان ہوتا، کردار کا آفتاب ہوتا، خاندان کا مہتاب ہوتا، شاعری میں فردوسی وقت ہوتا، ابوالفضل اور فیضی اس کا پانی بھرتے، خیام اس کی چاکری کرتا، غالب اس کا وظیفہ خوار ہوتا، انگریزی کا شیکسپئر ہوتا اور اردو کا ابوالکلام ہوتا، پھر نبوت کا دعویٰ کرتا تو کیا ہم اسے نبی مان لیتے ؟؟؟

میں تو کہتا ہوں کہ خواجہ غریب نواز اجمیریؒ، شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام بخاریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، ابن تیمیہ، امام غزالیؒ یا حسن بصریؒ بھی نبوت کا دعویٰ کرتے تو کیا ہم انھیں نبی مان لیتے ؟ اگر علیؓ دعویٰ کرتے کہ جسے تلوار حق نے اور بیٹی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، سیدنا ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ بھی دعویٰ کرتے تو کیا بخاری انھیں نبی مان لیتا؟ ہرگز نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کائنات میں کوئی انسان ایسا نہیں جو تخت نبوت پر سج سکے اور تاج امامت و رسالت جس کے سر پر ناز کر سکے، وہ ایک ہی ہے جس کے دم قدم سے کائنات میں نبوت سرفراز ہوئی۔"

آج مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں روحِ صدیقؓ پیدا کرو۔ آج محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس پر کٹ مرنے کے لیے تیار ہو جائو۔ آج محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر کمینے اور ذلیل قسم کے انسان حملہ آور ہیں۔ یاد رکھو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو خدا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو قرآن ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو دین ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کرنے والی کسی تحریر کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم یقینا ہر اس اخبار کو جلائیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملہ کرے گا۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ حضورِ اقد سصلی اللہ علیہ وسلم کا ہر دشمن، ہمارا بدترین دشمن ہے۔ میری گردن تو آج بھی تحفظ ناموسِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر پھانسی لگنے کو تڑپتی ہے۔ میں تمام مسلمانوں سے مخاطب ہوں کہ تم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کی حفاظت کرو تو میں تمھارے کتے بھی پالنے کو تیار ہوں اور اگر تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کی تو پھر میں تمہارا باغی ہوں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کٹ مرنے کے لیے تیار ہوں۔“

” میری بیٹی...، میرے ظاہری اسباب میں سے، میری حیات کا باعث ہے۔ اللہ بیٹوں کو بھی سلامت رکھے، مگر بیٹی سے مجھے محبت بہت ہے۔

اس نے کئی بار مجھے کہا:

اباجی! اب تو اپنے حال پر رحم کریں، آپ کو چین کیوں نہیں آتا، کیا آپ سفر کے قابل ہیں، چلنے پھرنے کی طاقت آپ میں نہیں رہی، کھانا پینا آپ کا نہیں رہا، یہ آپ کا حال ہے، کیا کر رہے ہیں آپ؟ میں نے کہا:

تم نے میری دُکھتی رَگ پکڑی ہے، میں تمھیں کس طرح سمجھائوں؟ بیٹا! تم بہت خوش ہو گی اگر میں چارپائی پر مروں؟ میں تو چاہتا ہوں کسی کے گلے پڑ کے مروں۔ تم اس بات پہ راضی نہیں کہ میں باہر نکلوں میدان میں، اور یہ کہتا ہوا مر جائوں...

لَا نَبِیَّ بَعْدَ مُحَمَّد، لَا رَسُوْلَ بَعْدَ مُحَمَّد، لَا اُمَّۃَ بَعْدَ اُمَّۃِ مُحَمَّد (صلی اللّٰہ علیہ وسلم)

بیٹا! دعا کرو۔

عقیدۂ ختم نبوت بیان کرتے ہوئے اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے مجھے موت آجائے۔

لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰہ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدَہٗ۔"

مسجد نبوی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر

حرمین شریفین کی انتظامیہ کی جانب سے ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں مسجد نبوی کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر مبارک کے بارے میں مکمل وضاحت کی گئی"

تشریح وتوضیح-:

گزشتہ ساڑھے پانچ صدیوں میں کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک تک نہیں جاسکا ہے۔

وہ حجرہ شریف جس میں آپ اور آپ کے دو اصحاب کی قبریں ہیں، اس کے گرد ایک چار دیواری ہے، اس چار دیواری سے متصل ایک اور دیوار ہے جو پانچ دیواروں پر مشتمل ہے۔

یہ پانچ کونوں والی دیوار حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بنوائی تھی۔ اور اس کے پانچ کونے رکھنے کا مقصد اسے خانہ کعبہ کی مشابہت سے بچانا تھا۔

اس پنج دیواری کے گرد ایک اور پانچ دیواروں والی فصیل ہے۔ اس پانچ کونوں والی فصیل پر ایک بڑا سا پردہ یا غلاف ڈالا گیا ہے۔ یہ سب دیواریں بغیر دروازے کے ہیں، لہٰذا کسی کے ان دیواروں کے اندر جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

روضہ رسولؐ کی اندر سے زیارت کرنے والے بھی اس پانچ کونوں والی دیوار پر پڑے پردے تک ہی جاپاتے ہیں۔

روضہ رسولؐ پر سلام عرض کرنے والے عام زائرین جب سنہری جالیوں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو جالیوں کے سوراخوں سے انہیں بس وہ پردہ ہی نظر آسکتا ہے، جو حجرہ شریف کی پنج دیواری پر پڑا ہوا ہے۔

اس طرح سلام پیش کرنے والے زائرین اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے درمیان گو کہ چند گز کا فاصلہ ہوتا ہے لیکن درمیان میں کل چار دیواریں حائل ہوتی ہیں۔

ایک سنہری جالیوں والی دیوار، دوسری پانچ کونوں والی دیوار، تیسری ایک اور پنج دیواری، اور چوتھی وہ چار دیواری جو کہ اصل حجرے کی دیوار تھی۔

گزشتہ تیرہ سو سال سے اس پنج دیواری حجرے کے اندر کوئی نہیں جاسکا ہے سوائے دو مواقع کے۔

ایک بار ۹۱ ہجری میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کے دور میں ان کا غلام اور دوسری بار ۸۸۱ ہجری میں معروف مورخ علامہ نور الدین ابو الحسن السمہودی کے بیان کے مطابق وہ خود۔

مسجد نبوی میں قبلہ کا رخ جنوب کی جانب ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارک ایک بڑے ہال کمرے میں ہے۔

بڑے ہال کمرے کے اندر جانے کا دروازہ مشرقی جانب ہے یعنی جنت البقیع کی سمت۔

یہ دروازہ صرف خاص شخصیات کے لیے کھولا جاتا ہے۔ اس دروازے سے اندر داخل ہوں تو بائیں جانب حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کی محراب ہے۔ اس کے پیچھے ان کی چارپائی (سریر) ہے۔

العربیہ ویب سائٹ نے محقق محی الدین الہاشمی کے حوالے سے بتایا کہ ہال کمرے میں روضہ مبارک کی طرف جائیں تو سبز غلاف سے ڈھکی ہوئی ایک دیوار نظر آتی ہے۔

1406 ہجری میں شاہ فہد کے دور میں اس غلاف کو تبدیل کیا گیا۔

اس سے قبل ڈھانپا جانے والا پردہ ۱۳۷۰ ہجری میں شاہ عبد العزیز آل سعود کے زمانے میں تیار کیا گیا تھا۔

مذکورہ دیوار ۸۸۱ ہجری میں اُس دیوار کے اطراف تعمیر کی گئی جو ۹۱ ہجری میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے تعمیر کی تھی۔ اس بند دیوار میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ قبلے کی سمت اس کی لمبائی ۸ میٹر، مشرق اور مغرب کی سمت ۶ء۵ میٹر اور شمال کی جانب دونوں دیواروں کی لمبائی ملا کر ۱۴ میٹر ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ۹۱ ہجری سے لے کر ۸۸۱ ہجری تک تقریباً آٹھ صدیاں کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو نہیں دیکھ پایا۔

اس کے بعد ۸۸۱ ہجری میں حجرہ مبارک کی دیواروں کے بوسیدہ ہو جانے کے باعث ان کی تعمیر نو کرنا پڑی۔ اس وقت نامور مورخ اور فقیہ علّامہ نور الدین ابو الحسن السمہودی مدینہ منورہ میں موجود تھے، جنہیں ان دیواروں کی تعمیر نو کے کام میں حصہ لینے کی سعادت حاصل ہوئی۔

وہ لکھتے ہیں ۱۴ شعبان ۸۸۱ ھ کو پانچ دیواری مکمل طور پر ڈھادی گئی۔ دیکھا تو اندرونی چار دیواری میں بھی دراڑیں پڑی ہوئی تھیں، چنانچہ وہ بھی ڈھادی گئی۔ ہماری آنکھوں کے سامنے اب مقدس حجرہ تھا۔ مجھے داخلے کی سعادت ملی۔ میں شمالی سمت سے داخل ہوا۔ خوشبو کی ایسی لپٹ آئی جو زندگی میں کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

میں نے رسول اللہ اور آپ کے دونوں خلفاء کی خدمت میں ادب سے سلام پیش کیا۔ مقدس حجرہ مربع شکل کا تھا۔ اس کی چار دیواری سیاہ رنگ کے پتھروں سے بنی تھی، جیسے خانہ کعبہ کی دیواروں میں استعمال ہوئے ہیں۔ چار دیواری میں کوئی دروازہ نہ تھا۔ میری پوری توجہ تین قبروں پر مرکوز تھی۔ تینوں سطح زمین کے تقریباً برابر تھیں۔ صرف ایک جگہ ذرا سا ابھار تھا۔ یہ شاید حضرت عمر کی قبر تھی۔ قبروں پر عام سی مٹی

پڑی تھی۔ اس بات کو پانچ صدیاں بیت چکی ہیں، جن کے دوران کوئی انسان ان مہر بند اور مستحکم دیواروں کے اندر داخل نہیں ہوا۔

علامہ نور الدین ابو الحسن سمہودی نے اپنی کتاب (وفاءالوفاء) میں حجرہ نبوی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیاہے کہ "اس کا فرش سرخ رنگ کی ریت پر مبنی ہے۔

حجرہ نبوی کا فرش مسجد نبوی کے فرش سے تقریبا٦٠ سینٹی میٹر نیچے ہے۔

اس دوران حجرے پر موجود چھت کو ختم کر کے اس کی جگہ ٹیک کی لکڑی کی چھت نصب کی گئی جو دیکھنے میں حجرے پر لگی مربع جالیوں کی طرح ہے۔ اس لکڑی کے اوپر ایک چھوٹا سا گنبد تعمیر کیا گیا جس کی اونچائی ٨ میٹر ہے اور یہ گنبد خضراء کے عین نیچے واقع ہے"۔

یہ سب معلومات معروف کتاب "وفاءالوفاء باخبار دار المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم" کے مؤلف نور الدین ابو الحسن السمہودی نے اپنی مشہور تصنیف میں درج کی ہیں----

واللہ اعلم بالصواب۔

عورت کیلئے ایک ہی شادی کا حکم کیوں؟

سائنس کے دائرے میں قرآنی معجزات کی ایک جھلک۔

ایک ماہرِ جنین یہودی (جو دینی عالم بھی تھا) کھلے طور پر کہتا ہے کہ روئے زمین پر مسلم خاتون سے زیادہ پاک باز اور صاف ستھری کسی بھی مذہب کی خاتون نہیں ہے۔

پورا واقعہ یوں ہے کہ البرٹ اینسٹاین انسٹی ٹیوٹ سے منسلک ایک ماہرِ جنین یہودی پیشوا روبرٹ نے اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا جس کا واحد سبب بنا قرآن میں مذکور مطلقہ کی عدت کے حکم سے واقفیت اور عدت کیلئے تین مہینے کی تحدید کے پیچھے کار فرما حکمت سے شناسائی اللہ کا فرمان ہے والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء]البقرة[228:

"مطلقات اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں"

اس آیت نے ایک حیرت انگیز جدید علم ڈی این اے کے انکشاف کی راہ ہموار کی اور یہ پتا چلا کہ مرد کی منی میں پروٹین دوسرے مرد کے بالمقابل ٦٢ فیصد مختلف ہوا کرتی ہے اور عورت کا جسم ایک کمپیوٹر کی مانند ہے جب کوئی مرد ہم بستری کرتا ہے تو عورت کا جسم مرد کی تمام بیکٹریاں جذب و محفوظ کر لیتا ہے۔

اس لئے طلاق کے فوراً بعد اگر عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرلے یا پھر بیک وقت کئی لوگوں سے جسمانی تعلقات استوار کرلے تو اس کے بدن میں کئی ڈی این اے جمع ہو جاتے ہیں جو خطرناک وائرس کی شکل اختیار کرلیتے ہیں اور جسم کے اندر جان لیوا امراض پیدا ہونے کا سبب بنتے ہیں۔

سائنس نے پتا لگایا کہ طلاق کے بعد ایک حیض گزرنے سے ۳۲ سے ۳۵ فیصد تک پروٹین ختم ہو جاتی ہے۔

اور دوسرے حیض آنے سے ٦٧ سے ٧٢ تک آدمی کا ڈی این اے زائل ہو جاتا ہے۔

اور تیسرے حیض میں ۹ء۹۹٪ کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور پھر رحم سابقہ ڈی این اے سے پاک ہو جاتا ہے اور بغیر کسی سائیڈ افیکٹ و نقصان کے نئے ڈی این اے قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے ایک طوائف کئی لوگوں سے تعلقات بناتی ہے جس کے سبب اس کے رحم میں مختلف مردوں کی منی چلی جاتی ہیں اور جسم مختلف ڈی این اے جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ مہلک امراض کا شکار بن جاتی ہے اور رہی بات متوفی عنہا کی عدت تو اس کی عدت طلاق شدہ عورت سے زیادہ ہے کیونکہ غم و حزن کے بنا پر سابقہ ڈی این اے جلدی ختم نہیں ہوتا اور اسے ختم ہونے کے لئے پہلے سے زیادہ وقت درکار ہے اور اسی کی رعایت کرتے ہوئے ایسی عورتوں کے لئے چار مہینے اور دس دن کی عدت رکھی گئی ہے۔

فرمان الہی ہے: **والذين يتوفون منكم و يذرون أزواجا يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر و عشرا(البقرة:٢٣٤)**

”اور تم میں سے جس کی وفات ہو جائے اور اپنی بیویاں چھوڑے تو چاہیے کہ وہ چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو روکے رکھیں“

اس حقیقت سے راہ پا کر ایک ماہر ڈاکٹر نے امریکہ کے دو مختلف محلے میں تحقیق کیا۔

ایک محلہ جہاں افریقن نژاد مسلم رہتے ہیں وہاں کی تمام عورتوں کے جنین میں صرف ایک شوہر ہی کا ڈی این اے پایا گیا۔

جبکہ دوسرا محلہ جہاں اصل امریکن آزاد عورتیں رہتی ہیں ان کے جنین میں ایک سے زائد دو تین لوگوں تک کے ڈی این اے پائے گئے۔

جب ڈاکٹر نے خود اپنی بیوی کا خون ٹیسٹ کیا تو چونکا دینے والی حقیقت سامنے آئی کہ اس کی بیوی میں تین الگ الگ لوگوں کے ڈی این اے پائے گئے جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی بیوی اسے دھوکہ دے رہی تھی اور یہ کہ اس کے تین بچوں میں سے صرف ایک اس کا اپنا بچہ ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر پوری طرح قائل ہو گیا کہ صرف اسلام ہی وہ دین ہے جو عورتوں کی حفاظت اور سماج کی ہم آہنگی کی ضمانت دیتا ہے اور اس بات کی بھی کہ مسلم عورتیں دنیا کی سب سے صاف ستھری پاک دامن و پاک باز ہوتی ہیں۔

نیک صحبت کا اثر

حضرت اقدس مولانا حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ کے شیخ حکیم الامت حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس اور مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا گنگوہی کے پاس علم تو تھا مگر برکت اور آسمانی واردات سے ہم لوگ محروم تھے، صرف کتب بینی تھی، مگر جب حاجی صاحب کی زیارت سے قطب بینی کی اور ان کی محبت اور ان کی صحبت نصیب ہوئی تو آسمان سے علوم آنے لگے۔

میرے پینے کو دوستو سن لو

آسمانوں سے مے اُترتی ہے

اور پھر فرمایا کہ جب ہم عالم ہو کر مدرسوں سے نکلے تھے تو ہماری تقریریں ہوتی تھیں مگر ان میں اثر نہ تھا، دردِ دل نہ تھا، زبان میں وہ تاثیر نہ تھی، ہمیں کوئی پوچھتا بھی نہ تھا مگر حاجی صاحب سے تعلق کے بعد اللہ نے اس قدر اثر ڈالا کہ حضرت حاجی صاحب کی برکت سے جہاں بھی تقریر ہوتی تھی تو اتنے علوم وارد ہوتے تھے کہ بڑے بڑے وکیل اور بیرسٹر اور جج کہتے تھے کہ اس کو کس نے مولوی بنا دیا! یہ ایسے دلائل پیش کرتا ہے کہ اگر یہ جج یا بیرسٹر ہوتا تو عدالت کو ہلا کر رکھ دیتا۔ کانپور میں حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ سن کر ایک فارسی داں بڈھے بیرسٹر نے پوچھا

تو مجمل از جمال کیستی

تو مکمل از کمال کیستی

تجھ کو یہ جمالِ علم کہاں سے حاصل ہوا؟ تجھ کو یہ کمالِ علم کہاں سے حاصل ہوا کہ زبانی ایسے ایسے دلائل دیے؟ تو حکیم الامت نے جواب دیا۔

من مجمل از جمالِ حاجیم

من مکمل از کمالِ حاجیم

میں حاجی امداداللہ کے جمال سے مجمل ہوا ہوں اور حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے صدقے میں یہ کمال مجھ کو عطا ہوا ہے۔

میرے شیخ و مرشد مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا کانپور میں بیان ہو رہا تھا اور اس بیان میں، میں بحیثیت سامع کے موجود تھا۔ میری اس روایت میں جو آپ کی اس مسجد میں اختر پیش کر رہا ہے صرف شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں جن کو بارہ مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور جن کو حکیم الامت خط میں محبی و محبوبی شاہ عبد الغنی لکھتے تھے۔ حکیم الامت شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے تھے کہ آپ حاملِ علومِ ولایت اور حاملِ علوم نبوت ہیں۔ انہوں نے یہ روایت مجھ سے کی کہ میں اس مسجد میں سامع تھا، حکیم الامت کا بیان ہو رہا تھا، مضامین کے واردات عجیب و غریب تھے اتنے میں حضرت نے

چیخ ماری حالاں کہ حکیم الامت غالب علی الاحوالِ تھے، ان میں مغلوبیت نہیں تھی مگر کبھی کبھی کاملین بھی مغلوب الحال ہو جاتے ہیں، تو حضرت نے چیخ ماری اور کہا: ہائے امداد اللہ! اور یہ کہہ کر بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ آہ! میرے شیخ نے فرمایا کہ اس وقت سارا مجمع رو رہا تھا۔ بعد میں کسی نے پوچھا کہ حضرت! آج کیا بات ہو گئی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ اتنے علوم وارد ہو رہے تھے کہ ہم سوچتے تھے کہ پہلے کیا بیان کریں اور بعد میں کیا بیان کریں؟ ترتیب میں ہمارے لیے مشکل پیدا ہو گئی تھی، علوم کی مسلسل بارش ہو رہی تھی حالاں کہ حاجی صاحب سے تعلق سے پہلے یہ بات نہیں تھی، جب حاجی صاحب سے بیعت ہوا اس کے بعد سے علوم کی بارش عطا ہوئی تو جس کا احسان ہے اس محسن کو کیوں نہ یاد کروں۔

شیخ سعدیؒ نے "*گلستان*" میں ایک قصّہ لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر کر رہا تھا۔

سفر کے دوران ایک تاجر کے گھر رات گزارنے کیلئے قیام کیا، اس تاجر نے ساری رات میرا دماغ چاٹا، وہ اس طرح کہ اپنی تجارت کے قصّے مجھے سُناتا رہا کہ فلاں ملک میں میری

یہ تجارت ہے، فلاں جگہ میری اس چیز کی دُکان ہے، فلاں ملک سے یہ چیز درآمد کرتا ہوں، یہ چیز برآمد کرتا ہوں۔

ساری رات قصّے سُنا کر آخر میں کہنے لگا کہ میری اور سب آرزوئیں تو پوری ہو گئی ہیں اور میری تجارت بھی پروان چڑھ گئی ہے، البتہ اب صرف ایک آخری سفر کرنے کا ارادہ ہے، آپ دُعا کریں کہ میرا وہ سفر کامیاب ہو جائے تو پھر اس کے بعد قناعت کی زندگی اختیار کر لوں گا اور بقیہ زندگی اپنی دُکان پر بیٹھ کر گزاروں گا۔

شیخ سعدیؒ نے پوچھا کہ وہ کیسا سفر ہے ؟

اس تاجر نے جواب دیا کہ میں یہاں سے فارسی گندھک لے کر چین جاؤں گا، اس لیے کہ میں نے سُنا ہے کہ وہ چین میں بہت زیادہ قیمت پر فروخت ہو جاتی ہے، پھر چین سے چینی. برتن لے کر روم میں فروخت کروں گا، وہاں سے رومی کپڑا لے کر ہندوستان میں فروخت کروں گا اور پھر ہندوستان سے فولاد خرید کر حلب (شام) میں لے جا کر فروخت کروں گا، حلب سے شیشہ خرید کر یمن میں فروخت کروں گا، پھر وہاں سے یمنی چادر لے کر فارس آجاؤں گا........ غرض یہ کہ اس نے ساری دنیا کے ایک سفر کا منصوبہ بنالیا اور شیخ سعدیؒ سے کہا کہ بس! اس ایک آخری سفر کا ارادہ ہے، اس کے لیے آپ دُعا کریں، اس کے بعد میں قناعت سے اپنی دُکان پر بقیہ زندگی گزاروں گا،

اس وقت بھی یہی خیال ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی باقی زندگی دُکان پر ہی گزار لے گا۔

_* شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں_* کہ جب میں نے اس سفر کی روداد سُنی تو میں نے اس سے کہا!......

* آن شنید ستی کہ در صحرائے غور *

* بار سالارے بیفتاد از ستور *

* گفت چشم تنگ دنیادار را *

* یا قناعت پر کند یا خاک گور *

فرمایا کہ تم نے یہ قصّہ سُنا ہے کہ " غور" کے صحرا میں ایک بہت بڑے سوداگر کا سامان اس کے اونٹ سے گرا ہوا پڑا تھا، ایک طرف اس کا اونٹ بھی مرا پڑا تھا اور دوسری طرف وہ خود بھی مرا پڑا تھا، اس کا وہ سامان زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ دنیادار کی تنگ نگاہ یا تو قناعت پر کر سکتی ہے یا قبر کی مٹی ہر کر سکتی ہے، اس کے پُر کرنے کا کوئی تیسرا ذریعہ نہیں ہے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد شیخ سعدیؒ بیان فرماتے ہیں کہ جب دنیا انسان کے اوپر مسلط ہو جاتی ہے تو پھر اس کو کسی اور چیز کا خیال بھی نہیں آتا، یہ ہے دنیا کی محبت جس سے منع کیا گیا ہے۔

اگر یہ محبت نہ ہو اور پھر حق تعالیٰ اپنی رحمت سے مال دے دے اور اس کے ساتھ دل اٹکا ہوا نہ ہو اور وہ مال حق تعالیٰ کی پیروی میں رکاوٹ نہ بنے اور وہ مال شریعت کے احکام بجالانے میں صرف ہو اور اس کے ذریعے انسان جنت کمائے تو وہ مال دنیا نہیں ہے، وہ مال بھی آخرت کا سامان ہے، لیکن اگر اس مال کے ذریعے آخرت کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تو وہ دنیا ہے، جس سے روکا گیا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ذوق و مزاج کا اختلاف

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان خوش قسمت اصحاب میں سے ہیں جن کو نبوت سے پہلے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و صحبت نصیب تھی۔ اور نبوت کے بعد تو وہ آخری لمحہ تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد ترین اور معتبر ترین رفیق و صحابی رہے۔ تقریباً یہی صورت حال حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بھی ہے کہ وہ بھی بالکل ابتدا میں اسلام لے آئے تھے۔ مگر حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کرنے میں یہ دونوں جلیل القدر صحابی اس قدر احتیاط فرماتے تھے کہ دونوں نے ہی ۱۵۰ سے بھی کم روایات بیان فرمائیں۔ حالانکہ ان دونوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی تھی۔ یہ ان حضرات کا اپنا ذوق و مزاج تھا کہ کمال درجے کی احتیاط فرماتے تھے کہ کہیں انجانے میں کوئی غلط بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔

وہیں دوسری طرف حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنہ ۷ ھجری میں اسلام قبول کیا اور صرف تین یا چار سال دن ورات صحبت رسول سے مشرف رہے۔ مگر آپ کے اندر احادیث رسول بیان کرنے کا پاکیزہ جذبہ اس قدر موجود تھا کہ آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد پانچ ہزار سے بھی زائد ہے۔ آپ پر یہ جذبہ غالب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات امت تک پہنچ جائے۔

یہ ذوق مزاج کی دو بالکل مختلف مثالیں ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں بھی موجود تھیں۔ مگر اس ذوقی اختلاف کے باوجود کبھی ان حضرات نے ایک دوسرے کو مطعون نہیں کیا اور نہ ایک دوسرے کی خدمات کے اعتراف میں اور آپس کے احترام میں کوئی کسر باقی رکھی۔

انسانی صحت کا راز قرآن کی ۳ آیات میں۔۔

انسانی تاریخ کی سب سے سنسنی خیز تحقیق جسے پڑھ کر ہم ہر بیماری سے بچ سکتے ہیں

مصر کے ڈاکٹر عماد فہمی جو کہ ایک ماہر غذائیات (Nuitritionist) اور موٹاپے کے معالج Bariatric consultant ہیں نے ایک ٹی وی انٹرویو میں یہ بتایا کہ انسانی صحت کا راز قرآن کی تین آیات میں پنہاں ہے :

1۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْاۚ (الاعراف آیت ۳۱) ترجمہ: کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔

اس کی تشریح میں ڈاکٹر فہمی کہتے ہیں کہ اکثر ڈاکٹر نشاستہ (carbohydrates) اور چکنائی (fats) سے منع کرتے ہیں حالانکہ یہ دونوں چیزیں انسانی صحت کے لئے بنیادی (اہمیت کی حامل ہیں۔

اصل چیز جس سے منع کیا جانا چاہئے، وہ حد سے تجاوز ہے .

2 ۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ (الانبیاء آیت ۳۰) ترجمہ: اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی۔ پیاس لگے یا نہ لگے پانی ضرور پیجیئے۔ طبی معیار کے مطابق ہر شخص اپنے وزن کے ہر ایک کلو پر ۳۰ ملی گرام پانی پیئے۔ مثلاً اگر کسی کا ۷۰ کلو وزن ہو تو وہ ۷۰ × ۳۰ یعنی ۲۱۰۰ ملی گرام یعنی ۲ لیٹر اور ۱۰۰ گرام (تقریباً) ۸ گلاس پانی روزانہ پیئے۔

یہ جگر، گردوں اور دل کی اچھی کارکردگی کے لئے بہت ضروری ہے۔

(3 وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا۱۰ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۱۱ (النباء آیت ۱۰-۱۱) ترجمہ: اور رات کو پردہ پوش اور دن کو معاش کا وقت بنایا۔

ڈاکٹر فہمی کہتے ہیں کہ رات کو جلدی سویا جائے اور صبح جلدی اٹھا جائے۔ یہ سب سے بہترین نسخہ ہے جو آپ کو نہ موٹا کرے گا اور نہ بیمار کرے گا !!!!

تعاون کا انوکھا انداز

آج ایک قصائی کی دوکان پر بیٹھا تھا کہ ایک صاحب سفید پوش ۔۔۔۔چہرے پر داڑھی, سر پر ٹوپی, آنکھوں پر عینک لگائے دکان میں داخل ہوئے ۔۔۔

دکان پر کافی بھیڑ تھی۔ لوگوں کی آوازوں سے دکان گونج رہی تھی۔۔۔ بھائی ایک کلو گوشت دینا۔۔۔ بھائی تین کلو گوشت دینا ۔۔۔!

جیسے ھی وہ صاحب داخل ہوئے قصائی سارے گاہکوں کو چھوڑ کر ان سے مخاطب ہوا

"جی " ۔۔۔۔!

" آدھا کلو گوشت "نوجوان نے کہا۔

قصائی نے فوراً بہترین گوشت کا ٹکڑا کاٹا اور بوٹی بنا کر دے دی ان صاحب نے پیسے دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو قصائی نے لینے سے انکار کر دیا۔۔۔ انہوں نے کہا" جاوید بھائی۔۔! آپ ہمیشہ ایسا ھی کرتے ہیں" قصائی مسکرا دیا اور وہ صاحب دوکان سے باہر نکل گیے۔

لوگ گلے شکوے کرنے لگے کہ ھم کب سے کھڑے ھیں اور قصائی کو چربی چڑھی ہے گاہک کی قدر نہیں ہے ۔۔!

میرا بھی تجسس بڑھا ۔۔۔

میں دوکان خالی ھونے کا انتظار کرنے لگا گاہک نپٹا کر جیسے ہی قصائی فارغ ہوا میں نے کہا دو کلو گوشت چاہیے۔

پھر میں نے پوچھا

۔"ابھی جو صاحب آپ کی دکان سے گوشت لے کر گئے ھیں ا آپ کے کوئی قریبی رشتہ دار لگتے ہیں۔۔۔ سارے گاہک چھوڑ کر آپ نے ان کو گوشت دیا۔"۔ ۔۔

وہ بولا "جی نہیں"

میں تعجب میں پڑ گیا۔۔۔ اور پوچھا "تو پھر .. ؟ ؟

قصائی بولا "وہ میری مسجد کے امام صاحب ہیں۔۔جو میری آخرت بنانے کی فکر میں رہتے ہیں۔۔اور میرے بچوں کو قرآن اور حدیث کا درس دیتے ہیں۔۔۔۔۔ دنیا میں میں اچھے سلوک کے مستحق تو ھیں نا "۔۔۔ ۔؟

میں نے کہا" اچھا۔۔۔ مگر تم نے ان سے پیسے کیوں نہیں لیے۔۔ ؟"

قصائی پھر مسکرایا اور بولا ۔۔۔۔

"کیا تمھیں نہیں پتا مسجدوں کے اماموں کو کیا دیا جاتا ہے اتنے تو صاحب آپ کے بچے مہینے میں پاکٹ منی لے لیتے ہوں گے "

میں سوچنے لگا۔۔۔۔ واقعی بات تو ٹھیک ھے ۔۔۔

قصائی پھر بولا

"صاحب یہ ہماری قوم کا سرمایہ ھے ان کو بچانا ہماری ذمہ داری ہے بازار کی تمام دوکان والوں نے یہ متفقہ فیصلہ کیا ہے کہ مولانا صاحب سے کوئی پیسہ نہیں لیں گے صرف میں ہی نہیں یہ نائی، یہ جنرل سٹور والا یہ ٹیلر وہ ڈاکٹر صاحب کریانے والا دودھ والا اور سبزی والا کوئی ان سے پیسے نہی لیتا بھائی ۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ اتنا تو ہم کر ہی سکتے ھیں نا۔۔ ؟

اور پھر مسکرا کر کہا" صاحب آدھا کلو گوشت کے بدلے جنت زیادہ منافع کا سودا ہے یہ لیجیے آپ کا گوشت ۔ "

میں نے پیسے قصائی کی طرف بڑھائے اور کہا ۔۔۔

"پر بھائی میں تو جاب کرتا ہوں کاش میں بھی آپ لوگوں کی طرح ان مولوی صاحب کی کوئی مدد کر سکتا"

قصائی نے کہا "بہت آسان ہے سامنے گلی میں مولانا نے سائیکل بننے کے لیے دی ہے آپ دوکان والے کو چپکے سے بل ادا کر دیجئے اور اس سے کہہ دیجئے کہ مولانا سے پیسے نہ لے۔ " میں مسکرایا اور دوکان سے نکل آیا۔۔۔

اس قصائی سے آج مدد کا ایک نیا سبق سیکھا تھا... یاد رہے دوستو۔۔۔

۔ ان مولویوں میں بھی ہماری طرح کچھ برائیاں ہوں گی ۔۔ یہ بھی ھماری طرح کے انسان ھی ھیں۔۔ لیکن یہ اس پر آشوب دور میں ہمارے دین کے ورثہ کے مکمل محافظ ہیں۔

جیسے چودہ سو سال پہلے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امانت اس امت کے علماء کو دی تھی. بنی اسرائیل کے علماء کی طرح انہوں نے دین کا سودا نہیں کیا.

آیئے ۔۔۔۔۔

ہم بھی دین کے ان خادموں کی اسی طرح مدد کریں جیسے قصائی نے سکھایا۔

اپنے ارد گرد ایسے سفید لوگوں کا خیال رکھیں، جو کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔

خلیفہ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی کرامات

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے)خصائص کبری جلد نمبر ا صفحہ ۲۹)پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک خاص مقام لکھا ہے کہ جب یہ جوان تھے تو تجارت کے لئے شام تشریف لے گئے وہاں ایک خواب دیکھا اور ایک راہب سے پوچھا کی اس کی تعبیر کیا ہے اس راہب نے پوچھا من انت تم کون ہو فرمایا مکہ شریف سے شغل کیا ہے فرمایا: تجارت... اس راہب نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہارے شہر مکہ میں اللہ تعالی ایک نبی مبعوث فرمائے گے اور ان کا نام مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو گا **وانت تكون وزيره في حياته وخليفته بعد وفاته۔**

اور ان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تم ان کے وزیر بنو گے اور ان کی وفات کے بعد ان کے خلاف ہوں گے۔

لکھا ہے کہ اس خواب اور تعبیر کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے چھپایا کسی شخص سے نہیں بتایا یہاں تک کی یہ اڑ تیس سال کے ہو گئے اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے ہو گئے اور آپ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا.... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ حاضر خدمت ہوئے اور پوچھا آپ جو دعوی نبوت فرمارہے ہیں کیا آپ کر پاس اسکی کوئی دلیل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے دعویٰ

نبوت کی دلیل تیرا وہ خواب ہے جو تم نے شام میں دیکھا تھا اور تو نے کسی کو نہیں بتایا تھا

...

اللہ تعالی نے بذریعہ جبرائیل علیہ السلام اس کی خبر دے دی روایات میں ہے مارے خوشی کے کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ کر لیا کہ ہائے میرا دوست اس اونچے مقام پر ہے اور آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی کو بوسہ دیا اور یہ خوشی کا معانقہ تھا۔

قرآن۔۔ناموں کی ڈکشنری

۔۔۔ذرا سوچئے ہم اپنے بچوں کا کیا نام رکھ رہے ہیں۔

ایک پوسٹ پر عجیب وغریب نام رکھنے کی بابت کمنٹس، جن کو یکجا کیا گیا ہے۔

پوچھا: بیٹی کا نام کیا رکھا ہے۔

کہنے لگے: فیه

ہمارے ہاں سندھ میں لوگ جس دن بچہ پیدا ہوتا ہے وہ ہی نام رکھ دیتے ہیں۔۔۔جمعو خان۔۔۔آچر یعنی اتوار یا خمیسو یعنی جمعرات ۔۔۔۔۔

ہمارے خاندان میں ہیں ایک "انزلنا"

اسی طرح ایک بچی کا نام ہے "من تشاء"

"انعمت" تو اب عام ہو گیا ہے۔

سب سے زیادہ ہنسی تب آئی جب نام سنا "لذینا"۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کا مادہ "الذین" ہے۔

پوچھا صاحب آپ کا نام ؟

بولے کالو خان۔۔

ہم نے اس کا چہرہ دیکھا تو گورا چٹا۔

پھر استفسار کیا یہ نام کیوں اور کس نے رکھا۔

بولے دادا نے رکھا ہے قرآن سے دیکھ کر۔۔

" قالوا" انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عرصہ قبل ایک رکشہ والے نے رکشہ پہ بیٹے کا نام سارق لکھا ھوا تھا۔

کہنے لگا قرآن سے دیکھا ھے۔

سمجھا بجھا کے تبدیل کرنے پہ آمادہ کیا.

بچی کا نام "منھا" سنا۔

میں نے نام رکھنے کی وجہ اور مطلب پوچھا تو

جواب ملا: "مطلب کا تو پتا نہیں البتہ قرآن پاک میں یہ لفظ آتا ھے اس لیے رکھا ھے۔
ایک بچے نے کلاس میں بتایا کہ اس کے گاؤں میں ایک بچی کا نام ذلک ہے.
ہمارے پڑوس میں ایک خاتون کا نام فَہِیَ رکھا گیا ہے.
ہماری مسجد کے ایک نمازی نے اپنی بچی کا نام "لِنُتَ" رکھا ہوا ھے۔
مسجد کے امام صاحب نے تبدیل کرنے کا بولا تو جواب ملا: "بچی کی دادی کو دورانِ تلاوت یہ لفظ پسند آیا تھا اس لیے رکھا ھے، لہذا دادی کی خوشی کی خاطر یہ نام تبدیل نہیں کر سکتے۔
ہمارے گاؤں میں ایک کا نام حامیہ رکھا گیا تھا۔
ایک صاحب نے کہا "وریشا" نام رکھا ہے بیٹی کا، ٹھیک ہے؟ دیکھ بھال کے عرض کیا کہ اس میں واو عطف کا اور آخر میں ا منصوب ہونی کی وجہ سے ہے۔ کہنے لگے، "یہ ہمارا مسئلہ نہیں۔

میرا دکھ میرا ہی دکھ تھا
بہت دکھ ہوا یہ دیکھ کر

ہمارے گاؤں کوٹلی لوہاراں مغربی سیالکوٹ میں ایک آدمی نے اپنی بیٹی کا نام ۔۔اولئک رکھا ہے اور بیٹے کا نام کظیم کہتا یہ قرآن مجید میں ہیں.

میں حجام کے پاس تھا تو کہنے لگا میرے بھائی کو اللہ نے بیٹی دی ہے اور ہم نے اس کا نام "منھا" رکھا ہے میں نے کہا یہ کہاں ہے تو کہنے لگا قرآن میں.

ہاں یہ بھی۔ اور ہمارے ہاں ایک بڑا مسئلہ اور بھی تھا جو خیر اب ختم ہوا کہ اکثر خواتین کے قرآن پڑھنے کا کوئی خاص انتظام نہیں ہوتا تھا۔ ماں بیٹی کو سکھاتی پھر وہ اپنی بیٹی کو اسی طرح نسل در نسل چلتا رہتا۔ بوڑھی خواتین بہت زیادہ تلاوت کرتی تھیں۔ کوئی بچہ پیدا ہوتا تو تلاوت کے دوران دادی / نانی کو کوئی لفظ پسند آتا وہی رکھ لیتا۔ اسی کے تحت ہمارے پڑوس میں ایک شخص کا نام "خبال" ہے حالانکہ یہ فساد کو کہتے ہیں۔

پٹھان بھائیوں میں صحابہ یا انبیاء کے اسماء پر نام رکھے جاتے ہیں تو ساتھ میں 'حضرت' بھی لگایا جاتا ہے۔

حضرت علی، حضرت عمر، حضرت بلال تو میں نے سن رکھے ہیں.

سائیکل خان بھی تھا ہمارے گاؤں میں. لاریب فیہ ایک بچی اور ایک بچے کا خاتون نے فرعون تجویز کیا اور ایک افغانی بچے کا زنیم رکھا گیا تھا جو میں نے تبدیل کیا.

ہماری ایک عزیزہ نے پوتے کا نام ابلیس تجویز کیا، پوچھا گیا تو فرمایا کہ قرآن میں آتا ہے اور جب بھی پڑھتی ہوں بہت اچھا لگتا ہے اس لیے سوچ رکھا تھا کہ یہی نام رکھنا ہے.

شیخ محمد ابن العثیمین رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ کہا جاتا ہے ایک بندے نے اپنے بیٹے کا نام "نُکْتَلُ" رکھا، پوچھنے پر کہنے لگا یہ یوسف علیہ السلام کے بھائی کا نام تھا، فأرسل معنا أخانا نكتل... الخ

سوات میں ایک خاتون کا نام سنا تھا: فطرنی۔ اس سے بھی عجیب تر نام مردان میں ایک بوڑھی خاتون کا سنا: تجریان!

ایک خاتون نے هُنَّج نام رکھا، ان سے پوچھا گیا یہ نام کہاں سے آیا تو فرمایا قرآن میں ہے، پوچھا گیا کہاں تو کہا "وهديناه النجدين"

ہمارے گاؤں کی ایک خاتون نے اپنی بھتیجی کے نام "فاحشہ" تجویز کیا تھا، شاید ان کو ساؤنڈ بہت اچھا لگا تھا اس لفظ کا.

یہ لوگ قرآن کے کسی صفحے پر آنکھ بند کر کے انگلی پھیرتے ہیں۔ کسی کے پاس قرآن اس وقت موجود نہ ہو تو کوئی دوسری کتاب حتی کہ اخبار پر بھی انگلی پھیرتے ہیں جہاں آنکھیں کھول لیں وہاں انگلی روک لیتے ہیں اور وہ لفظ نام ہوتا ہے۔ اس حساب پر ہمارے ہاں "مختلف" "اچانک" نام بھی ہیں۔

جامعہ اسلامیہ میں ایک انڈونیشن لڑکے کا نام رزقاً طیباً ہے۔

ہمارے گاؤں میں بھی ایک بزرگ تھے وہ اپنے پوتوں پوتیوں کا نام قرآن سے اسی طرح کا رکھتے تھے، ان کے ایک پوتے کا نام قم اللیل ہے ایک پوتی کا نام صلات دوسری

کارب اغفرلی جو اب فرلی ہو گیا، ایک لڑکی کو استقرار حمل ہوا تو اس نے نام پہلے ہی تجویز کر لیا لڑکی ہو گی تو ابلیسہ اور لڑکا ہو گا تو ہامان.

ہمارے گاؤں میں ایک شخص کا نام *عبد السلام* ہے، اب ان کے بیٹوں کا نام بھی انہیں کے بروزن *انت السلام* اور *منک السلام* رکھا گیا ہے. پوچھنے پر کہتے ہیں نماز کے بعد کی دعا میں یہ نام آیا ہے تو غلط تھوڑی ہو گا۔

"ھ" اور "ہ" میں فرق

"ھاں" اور "ہاں" کیا دونوں ٹھیک ہیں؟ اسی طرح "ہم" اور "ھم" اگر فرق ہے تو کیا ہے؟

☜ اردو میں دو چشمی *ھ* کا استعمال کمپاؤنڈ حروف تہجی بنانے کے لئے ہو تا ہے۔

مثلاً:

بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، گھ، اور لھ وغیرہ۔

بعض جگہوں پر خوب صورتی یا کسی اور وجہ سے لوگ ابتدا میں *ھ* کا استعمال کرتے ہیں مثلاً "ھم"، "ھماری" اور "ھاں" وغیرہ.

لیکن یہ استعمال درست نہیں ہے۔ اول تو یہ کہ اردو میں *ھ* ابتداء لفظ میں کبھی آ ہی نہیں سکتا۔

کیوں کہ دو چشمی "ھ" کی اکیلی مستقل آواز نہیں ہے بلکہ اسے کسی دوسرے حرف کے ساتھ ملا کر لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ دو چشمی *ھ* اردو میں ہندی زبان سے اخذ کی گئی ہے اور یہ صرف چند حروف کے ساتھ ہی آ سکتی ہے، اردو کے تمام حروف تہجی کے ساتھ نہیں آ سکتی مثلاً:

بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، گھ، اور لھ وغیرہ۔

اس کے علاوہ باقی حروف کے ساتھ دو چشمی *ھ* نہیں آتی، جبکہ " *ہ* " کی الگ مستقل آواز ہوتی ہے۔

ذیل میں دو چشمی *ھ* اور *ہ* کے چند جملے لکھے جا رہے ہیں، انہیں پڑھ کر آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ان دونوں کے پڑھنے میں کیا فرق ہے اور اُردو زبان میں یہ دو مختلف ھ / ہ الگ الگ کیوں رائج ہیں:

" ھ "☜ *بھ *: ننھے منے بچے سب کے من کو *بھاتے *ہیں۔

" ہ "☜ *بہ *: لاپرواہ لوگ پانی زیادہ *بہاتے *ہیں۔

" ھ "☜ *پھ *: بچے نے کاپی کا صفحہ *پھاڑ *دیا۔

" ہ "☜ *پہ *: *پہاڑ *پر چڑھنا ایک دشوار کام ہے۔

" ھ"☜ * تھ *: میرا ایک دوست * تھائی لینڈ * میں رہتا ہے۔

" ہ"☜ * تہ *: ابھی تک صرف ایک * تِہائی * کام ہوا ہے۔

" ھ"☜ * ٹھ *: ان دونوں کی آپس میں * ٹھنی * ہوئی ہے۔

" ہ"☜ * ٹہ *: درخت کی * ٹہنی * پر چڑیا * چہچہا * رہی ہے۔

" ھ"☜ * جھ *: آج فضا * بوجھل * سی ہے۔

" ہ"☜ * جہ *: * ابوجہل * اسلام کا سخت دشمن تھا۔

" ھ"☜ * چھ *: ڈاکٹر نے مریض کے جسم سے گولی کا * چَھرّا * نکال دیا، یا قربانی کے جانور کے گلے پر * چُھرا * پھیر دو۔

" ہ"☜ * چہ *: اس کا * چہرہ * خوشی سے کِھلا پڑ رہا تھا۔

" ھ"☜ * دھ *: یار میرا * دھندہ * خراب مت کرو۔

" ہ"☜ * دہ *: وہ اس کا نجات * دہندہ * بن کر آیا۔

* نوٹ *:- * ڈ * کے ساتھ "ہ" اور * ر * کے ساتھ "ھ" کا جملہ نہیں آتا۔

" ھ"☜ * ڑھ *: میرے گھر کے آگے ڈم ڈم کی * باڑھ * لگی ہوئی ہے۔

" ہ"☜ * ڑہ *: میرے گھر کے پاس بھینسوں کا * باڑہ * ہے۔

" ھ"☜ * کھ *: میرا قلم * کھو * گیا ہے۔

" ہ" ☜ * کہ *: ہاں اب * کہو * ! کیا * کہنا * چاہ رہے تھے۔

" ھ" ☜ * گھ *: جنگلات میں * گھنے * درخت ہوتے ہیں۔

" ہ" ☜ * گہ *: اس نے اپنی شادی پر * گہنے * اور دیگر زیورات پہنے ہوئے تھے۔

یہ جملے صرف دو چشمی "ھ" اور "ہ" کے آپس میں فرق واضح کرنے کے لیے بطور مثال لکھے ہیں، اُمّید ہے اس سے آپ مستفید ہوں گے۔

حضرت بنوری رحمہ اللہ دورانِ درس اختلافی مقامات پر لمبی چوڑی تقریریں کیوں نہیں کرتے تھے؟

ایک دن ہم نے حضرت سے پوچھا کہ جن مقامات پر ائمہ کا تفصیلی کلام اور اختلاف ہوتا ہے، آپ وہاں کھل کر بحث کیوں نہیں فرماتے۔

حضرت فرمانے کہ پہلے میں ان مقامات پر طویل بحث کیا کرتا تھا، اپنے مذہب کی تائید میں دلائل کے انبار لگاتا، دیگر ائمہ کے دلائل کے تفصیلی جوابات دیتا تھا، یہاں تک کہ سامعین کو ایسا لگتا تھا گویا وہ مذہب باطل ہے۔

پھر ایک دن میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، داہنے جانب امام شافعی رحمہ اللہ تشریف فرما تھے، میں سامنے کو تھا، حضور نے آواز دی، بنوری بیٹا(حضرت بنوری سید تھے) یہ آپ کا چہرہ اتنا زرد کیوں ہے ؟. اس پر امام شافعی نے حضور سے عرض کیا کہ یہ میرے موقف کے جواب اتنے دلائل دیتے ہیں جیسا کہ میرا مذہب بالکل باطل ہو۔

حضرت بنوری فرمانے لگے کہ اس دن جب میں بیدار ہوا تو میری کیفیت بدل گئی تھی، اس کے بعد سے میں نے کبھی ان مقامات پر لمبی چوڑی تقریریں نہیں کی، بس جہاں پر امام بخاری نے " قال بعض الناس "کہ کر احناف پر رد کیا ہو وہاں اپنے مذہب سے جوابات دے دیتا ہوں۔

حضرت بنوری کے شاگرد، نمونہ اسلاف مولانا پیر شمس الرحمن عباسی صاحب دامت برکاتہم نے شبِ جمعرات کو جامعہ بنوری ٹاون میں طلبہ سے اصلاحی بیان میں یہ واقعہ نقل کیا۔

اجمیر میں نعتیہ مشاعرہ اور جگر مرادآبادی

اجمیر شریف میں نعتیہ مشاعرہ تھا، فہرست بنانے والوں کے سامنے یہ مشکل تھی کہ جگر مرادآبادی صاحب کو اس مشاعرے میں کیسے بلایا جائے، وہ کھلے رند تھے اور نعتیہ مشاعرے میں ان کی شرکت ممکن نہیں تھی۔ اگر فہرست میں ان کا نام نہ رکھا جائے تو پھر مشاعرہ ہی کیا ہوا۔ منتظمین کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہو گیا۔ کچھ ان کے حق میں تھے اور کچھ خلاف۔

دراصل جگرؔ کا معاملہ تھا ہی بڑا اختلافی۔

بڑے بڑے شیوخ اور عارف باللہ اس کی شراب نوشی کے باوجود ان سے محبت کرتے تھے۔ انہیں گناہ گار سمجھتے تھے لیکن لائق اصلاح۔ شریعت کے سختی سے پابند علماء حضرات بھی ان سے نفرت کرنے کے بجائے افسوس کرتے تھے کہ ہائے کیسا اچھا آدمی کس برائی کا شکار ہے۔ عوام کے لیے وہ ایک اچھے شاعر تھے لیکن تھے شرابی۔ تمام رعایتوں کے باوجود علماء حضرات بھی اور شاید عوام بھی یہ اجازت نہیں دے سکتے تھے کہ وہ نعتیہ مشاعرے میں شریک ہوں۔

آخر کار بہت کچھ سوچنے کے بعد منتظمین مشاعرہ نے فیصلہ کیا کہ جگرؔ کو مدعو کیا جانا چاہیے۔ یہ اتنا جراتمندانہ فیصلہ تھا کہ جگرؔ کی عزت کا اس سے بڑا اعتراف نہیں ہو سکتا تھا۔ جگرؔ کو مدعو کیا گیا تو وہ سر سے پاؤں تک کانپ گئے۔

"میں گنہگار، رند، سیہ کار، بدبخت اور نعتیہ مشاعرہ! نہیں صاحب نہیں"۔

اب منتظمین کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ جگر صاحبؔ کو تیار کیسے کیا جائے۔ ان کی تو آنکھوں سے آنسو اور ہونٹوں سے انکار رواں تھا۔ نعتیہ شاعر حمید صدیقی نے انہیں آمادہ کرنا چاہا، ان کے مربی نواب علی حسن طاہر نے کوشش کی لیکن وہ کسی صورت تیار نہیں ہوتے تھے، بالآخر اصغرؔ گونڈوی نے حکم دیا اور وہ چپ ہو گئے۔

سرہانے بوتل رکھی تھی، اسے کہیں چھپا دیا، دوستوں سے کہہ دیا کہ کوئی ان کے سامنے شراب کا نام تک نہ لے۔ دل پر کوئی خنجر سے لکیر سی کھینچتا تھا، وہ بے ساختہ شراب کی طرف دوڑتے تھے مگر پھر رک جاتے تھے، لیکن مجھے نعت لکھنی ہے، اگر شراب کا ایک قطرہ بھی حلق سے اترا تو کس زبان سے اپنے آقا کی مدح لکھوں گا۔ یہ موقع ملا ہے تو مجھے اسے کھونا نہیں چاہیے، شاید یہ میری بخشش کا آغاز ہو۔ شاید اسی بہانے میری اصلاح ہو جائے، شاید اللہؔ کو مجھ پر ترس آ جائے!

ایک دن گزرا، دو دن گزر گئے، وہ سخت اذیت میں تھے۔ نعت کے مضمون سوچتے تھے اور غزل کہنے لگتے تھے، سوچتے رہے، لکھتے رہے، کاٹتے رہے، لکھے ہوئے کو کاٹ کاٹ کر تھکتے رہے، آخر ایک دن نعت کا مطلع ہو گیا۔

پھر ایک شعر ہوا، پھر تو جیسے بارش انوار ہو گئی۔ نعت مکمل ہوئی تو انہوں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ مشاعرے کے لیے اس طرح روانہ ہوئے جیسے حج کو جا رہے ہوں۔ کونین کی دولت ان کے پاس ہو۔ جیسے آج انہیں شہرت کی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا ہو۔

انہوں نے کئی دن سے شراب نہیں پی تھی، لیکن حلق خشک نہیں تھا۔ ادھر تو یہ حال تھا دوسری طرف مشاعرہ گاہ کے باہر اور شہر کے چوراہوں پر احتجاجی پوسٹر لگ گئے تھے کہ ایک شرابی سے نعت کیوں پڑھوائی جا رہی ہے۔ لوگ بپھرے ہوئے تھے۔

اندیشہ تھا کہ جگر صاحبؔ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے یہ خطرہ بھی تھا کہ لوگ اسٹیشن پر جمع ہو کر نعرے بازی نہ کریں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے منتظمین نے جگر کی آمد کو خفیہ رکھا تھا۔ وہ کئی دن پہلے اجمیر شریف پہنچ چکے تھے جب کہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ مشاعرے والے دن آئیں گے۔

جگرؔ اپنے خلاف ہونے والی ان کارروائیوں کو خود دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔

کہاں پھر یہ مستی، کہاں ایسی ہستی
جگرؔ کی جگر تک ہی مے خواریاں ہیں

آخر مشاعرے کی رات آگئی۔ جگر کو بڑی حفاظت کے ساتھ مشاعرے میں پہنچا دیا گیا۔
اسٹیج سے آواز ابھری "رئیس المتغزلین حضرت جگر مرادآبادی "!۔۔۔۔۔
اس اعلان کے ساتھ ہی ایک شور بلند ہوا، جگر نے بڑے تحمل کے ساتھ مجمع کی طرف دیکھا... اور محبت بھرے لہجے میں گویاں ہوئے۔۔
"آپ لوگ مجھے ہوٹ کررہے ہیں یا نعت رسول پاک کو، جس کے پڑھنے کی سعادت مجھے ملنے والی ہے اور آپ سننے کی سعادت سے محروم ہونا چاہتے ہیں"۔
شور کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ بس یہی وہ وقفہ تھا جب جگر کے ٹوٹے ہوئے دل سے یہ صدا نکلی ہے...

اک رند ہے اور مدحتِ سلطان مدینہ
ہاں کوئی نظر رحمتِ سلطان مدینہ

جو جہاں تھا ساکت ہو گیا۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی زبان سے شعر ادا ہو رہا ہے اور قبولیت کا پروانہ عطا ہو رہا ہے۔
نعت کیا تھی گناہگار کے دل سے نکلی ہوئی آہ تھی، خواہشِ پناہ تھی، آنسوؤں کی سبیل تھی، بخشش کا خزینہ تھی۔ وہ خود رو رہے تھے اور سب کو رلا رہے تھے، دل نرم ہو گئے، اختلاف ختم ہو گئے، رحمت عالم کا قصیدہ تھا، بھلا غصے کی کھیتی کیونکر ہری رہتی۔

”یہ نعت اس شخص نے کہی نہیں ہے، اس سے کہلوائی گئی ہے“۔ مشاعرے کے بعد سب کی زبان پر یہی بات تھی. نعت یہ تھی..

اک رند ہے اور مدحتِ سلطان مدینہ
ہاں کوئی نظر رحمتِ سلطان مدینہ

دامان نظر تنگ و فراوانیِ جلوہ
اے طلعتِ حق طلعتِ سلطانِ مدینہ

اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدق
تو خلد ہے تو جنتِ سلطان مدینہ

اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت
دیکھوں میں درِ دولتِ سلطانِ مدینہ

اک ننگِ غمِ عشق بھی ہے منتظرِ دید
صدقے ترے اے صورتِ سلطان مدینہ

کونین کا غم یادِ خدا اور شفاعت

دولت ہے یہی دولتِ سلطان مدینہ

ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی
یہ عالم شاہوں سے سوا سطوتِ سلطان مدینہ

اس امت عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرتِ سلطان مدینہ

کچھ ہم کو نہیں کام جگر اور کسی سے
کافی ہے بس اک نسبتِ سلطان مدینہ

ایک غیر منقوط نعت شریف

سرکارِ دوسَرا ہے محمد مرا رسول
عالَم کا مُدعا ہے محمد مرا رسول

ساری مراد ہے ملی ہم کو درود سے

دکھ درد کی دوا ہے محمد مرا رسول

عالم کا ہے مکاں مکاں احمد کے واسطے
مہر و مہِ حرِا ہے محمد مرا رسول

احمد کی مدح مسک ہے عالم کا ہر مکاں
مہکائے وہ سدا ہے محمد مرا رسول

کلمۂ "لا الہ "کا محور مرا رسول
داعی الیٰ الہدیٰ ہے محمد مرا رسول

حامد ہے وہ الٰہ کا محمود ہے وہی
اللہ کی ولا ہے محمد مرا رسول

اسمِ رسول سے ہوا محکم ہر اک مکاں
معمور لامراء ہے محمد مرا رسول

اللہ کے رسل کا ہے سردار اور امام
داور کا لاڈلا ہے محمد مرا رسول

مصدر رہے عدل و علم کا، ہے مطلَعِ سَحَر
ہر کوئی کہہ اٹھا ہے محمد مرا رسول

اسلام کا عَلَم ہوا اعلیٰ رسول سے
در آسماں لکھا ہے محمد مرا رسول

سالارِ دہر، مالکُ الکل، صاعدِ سماء
آگاہِ سر ہوا ہے محمد مرا رسول

علم و عمل کے حکم وہ ہم کو سکھا گئے
اسلام کا لوا ہے محمد مرا رسول

آلام و درد آئے گر مملوک کو کوئی
سائل کا آسرا ہے محمد مرا رسول

لعل و گُہَر کے واسطے ہے در رسول کا
ہاں دے رہا عطاء ہے محمد مرا رسول

احمد کا مدح کار ہے اللہ ھو الاحد

ممدوحِ ہر گدا ہے محمد مرا رسول

اہلِ ولاء کے واسطے دار السلام ہے
املاک کی دعاء ہے محمد مرا رسول

ہے آگ کی ہلاکی اعداء کے واسطے
مسلم کا واسطا ہے محمد مرا رسول

آئی گلوں سے مدح کی سحر و مساء مہک
کہہ کر ہر گُل کَھلا ہے محمد مرا رسول

حاصل درِ رسول ہو رو رو کے کی دعا
ہر لمحہ ولولہ ہے محمد مرا رسول

سَرور کی مدح سے ملا دل کو سُرور ہے
دل سے سدا کہا ہے محمد مرا رسول

مادحؔ کا اہل و مال ہے مولی کے واسطے
وردِ لساں صداء ہے محمد مرا رسول

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے

خواجہ مجذوب الحسن رحمتہ اللہ علیہ

* جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے *
* یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے *

جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے
مگر تجھے اندھا کیا رنگ و بوٗ نے
کبھی غور سے بھی یہ دیکھا ہے تو نے
جو معمور تھے وہ محل اب ہیں سونے

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

ملے خاک میں اہل شان کیسے کیسے
مکین ہو گئے لا مکان کیسے کیسے

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

زمیں کے ہوئے لوگ پیوند کیا کیا
ملوک و حضور و خداوند کیا کیا
دکھائے گا تو زور تا چند کیا کیا
اجل نے پچھاڑے تنومند کیا کیا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

اجل ہی نے چھوڑا نہ کسریٰ نہ دارا
اسی سے سکندر سا فاتح بھی ہارا
ہر اک لے کے کیا کیا نہ حسرت سُدھارا
پڑا رہ گیا سب یونہی ٹھاٹھ سارا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

یہاں ہر خوشی ہے مبدل بہ صد غم
جہاں شادیاں تھیں وہیں اب ہے ماتم
یہ سب ہر طرف انقلاباتِ عالم
تری ذات ہی میں تغیر ہیں ہر دم

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا
جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا
بڑھاپے نے پھر آکے کیا کیا ستایا
اجل تیرا کر دے گی بالکل صفایا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

یہی تجھ کو دُھن ہے رہوں سب سے اعلیٰ
ہو زینت نرالی، ہو فیشن نرالا
جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا؟
تجھے حسن ظاہر نے دھوکے میں ڈالا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

وہ ہے عیش و عشرت کا کوئی محل بھی
جہاں تاک میں کھڑی ہو اَجل بھی
کبھی اب اپنے اس جہل سے تو نکل بھی
یہ طرز معیشت اب اپنا بدل بھی
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

یہ دنیائے فانی ہے محبوب تجھ کو
ہوئی واہ! کیا چیز مرغوب تجھ کو
نہیں عقل اتنی بھی مجذوبؔ تجھ کو

سمجھ لینا اب چاہیے خوب تجھ کو

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

بڑھاپے سے پاک پیامِ قضا بھی
نہ چونکا نہ جیتا نہ سنبھلا ذرا بھی
کوئی تیری غفلت کی ہے بے انتہا بھی
جنون تا بکے ہوش میں اپنے آ بھی

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

نہ دلدادہ شعر گوئی رہے گا
نہ گرویدہ شہرہ جوئی رہے گا
نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا
رہے گا تو ذکر نہ کوئی رہے گا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

جب اس بزم سے اٹھ گئے دوست اکثر
اور اٹھتے چلے جا رہے ہیں برابر
یہ ہر وقت پیش نظر جب سے منظر
یہاں پر ترا دل بہلتا ہے کیوں کر
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

جہاں میں کہیں شورِ ماتم بپا ہے
کہیں فقر و فاقہ سے آہ و بکا ہے
کہیں شکوئہ جور و مکر و دغا ہے
غرض ہر طرف سے یہی بس صدا ہے

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

کیسے کہیں ہم اس کو سارے جہاں سے اچھا

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

اِک دم بدل رہا ہے ہندوستاں ہمارا
نفرت میں جَل رہا ہے یہ گلستاں ہمارا

ہر سمت ہے تشدد ہر سمت بربریت
دوزخ بنا ہوا ہے یہ آستاں ہمارا

ہے ڈالیوں پہ اِس کی اب اُلّوؤں کا قبضہ
محفوظ کیوں رہے گا پھر مال و جاں ہمارا

انصاف قید میں ہے ظالم ہیں دندناتے
ہے کس قدر پریشاں پیر و جواں ہمارا

مظلوم خون دیکھو ہر سمت بہہ رہا ہے
ظالم بنا ہے جب سے، اِک حکمراں ہمارا
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

گودی میں جس کی پَل کر ہم سب جواں ہوئے ہیں
اب میٹتا ہے ہم کو خود پاسباں ہمارا

ہر آن ہے اذیت، ہر روز اِک ہزیمت
ہر روز ہو رہا ہے بس امتحاں ہمارا

مِسمار کر کے مسجد مندر بنا رہے ہیں
دہشت میں جی رہا ہے پیر و جواں ہمارا

دشوار ہو گیا ہے اِس کی فضا میں جینا
ہے زد پہ بجلیوں کی اب آشیاں ہمارا

کیسے کہیں ہم اِس کو سارے جہاں سے اچھا
لُٹتا ہے روز یارو اب کارواں ہمارا

اقبال کا ترانہ ہم کس زباں سے گائیں
اب نوحہ پڑھ رہاھے ہر نوحہ خواں ہمارا

نفرت کے داعیوں سے کہہ دے یہ کوئی جا کر
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

جتنا دباؤ گے تم، ابھریں گے اور زیادہ
جاگیں گے جس گھڑی ہم ہو گا جہاں ہمارا

مغلوب ہو گئے ہیں، ہونگے دوبارہ غالب
ہو گا ضرور اک دن اَرض و سماں ہمارا

انصاف کی حکومت آئے گی جب یہاں ہر
تب ملک یہ بنے گا جنت نشاں ہمارا

فریاد اور فُغاں کا حاصل نہیں کچھ * محسن *
کوئی نہیں سمجھتا دردِ نہاں ہمارا

سہرا اور مرثیہ

ایک نیا شاعر اپنے استاد کے پاس جا کر کہنے لگا کے استاد آج دن میں ایک شادی ہے جس میں مجھے سہرا پڑھنا ہے اور آج اک آدمی بھی مر گیا شام کو مجھے اسکا مرثیہ بھی پڑھنا ہے کلام میرے پاس ہے نہیں لہٰذا آپ لکھ دیں استاد نے اک کاغذ اٹھا کر اسے بیچ سے موڑا اور ایک طرف سہرا لکھ دیا اور دوسری طرف مرثیہ لکھ دیا اب یہ حضرت شادی پہنچے اور کاغذ کو بیچ سے کھول کر سہرا پڑھنا شروع کر دیا تو اب ایک مصرع سہرے کا اور ایک مصرعہ مرثیے کا پڑھا جارہا ہے۔

ملاحظہ کریں..

اچھے میاں کا عقد ہوا ہے بہار میں
کہدو کسی سے پھول بچھا دے مزار میں
روئے حسیں پے سہرے سے کیسی بہار ہے
اے موت جلد آ کہ تیرا انتظار ہے
دولھا دلھن شریف گھرانے میں ہیں پلے
لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے

نوشہ کو عروس بڑی ذی ہنر ملی
مرحوم کو حیات بڑی مختصر ملی
یارب بنی کے ساتھ ہمیشہ بنا رہے
یہ کیا رہیں گے جب نہ رسول خدا رہے
نوشہ کو عروج وہ رب جلیل دے
اور اس کے وارثین کو صبر جمیل دے

تمت بالخیر

وَصَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ عَلَى خَيْرِ الْخَلْقِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَمِيْنِ
وَعَلَى آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ،
وَالْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	پیشِ لفظ	۲
۲	امامِ مسجد کی بد دعا کا اثر	۴
۳	ایمان لانے کا خوبصورت واقعہ	۸
۴	اللہ تعالی کی فرانزک رپورٹ	۱۱
۵	یہ ہے شانِ استغناء	۱۴
۶	دو بزرگ اور دو پرندے	۱۶
۷	استاد کی تنخواہ	۱۹
۸	کویت کا ایک سچا واقعہ	۲۲
۹	جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودتے ہیں	۲۴
۱۰	قبر میں بچہ ماں کی گود میں کھیل رہا تھا	۲۸
۱۱	آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا	۳۱
۱۲	دانے دانے پہ لکھا ہوتا کھانے والے کا نام	۳۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱۳	سلف سے حسنِ ظن رکھیے	۳۵
۱۴	خدمتِ خلق اور یتیموں کی خبر گیری	۳۷
۱۵	کسی کا پردہ فاش نہ کریں	۴۰
۱۶	صدقات وخیرات ذخیرہ آخرت	۴۱
۱۷	بیوی ہو تو ایسی	۴۵
۱۸	ایک علمی لطیفہ	۴۸
۱۹	عمدہ مناجات	۴۹
۲۰	اختر شیرانی کا عشقِ رسول	۵۰
۲۱	عادتیں نسلوں کا پتہ دیتی ہیں	۵۳
۲۲	انسان زمینی مخلوق نہیں	۵۵
۲۳	قرآنِ مجید اور مسلمانوں کی حالت	۶۳
۲۴	حرم سرا داڑھی والوں کو کیوں نہیں چھیڑتے؟	۶۵
۲۵	شیخ الحدیث اور شربت کی دکان	۶۷
۲۶	حیرت انگیز معلومات	۶۸

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۲۷	ایک بڑھیا اور لاٹھی	۶۹
۲۸	مسلم حکمراں اور پروپیگنڈا	۷۱
۲۹	بھارت کے نوجوانوں کے نام ایک خط	۸۰
۳۰	کاش ہم موبائل سے سبق سیکھتے	۸۷
۳۱	ایک قیمتی ہار	۸۹
۳۲	استاد کا رتبہ بڑا یا والدین کا؟	۹۱
۳۳	تعمیری ذہن اور مثبت سوچ رکھیے	۹۳
۳۴	سو میں کتنے	۹۶
۳۵	اہلِ ہند میں عربی زبان وادب کا ذوق	۱۰۱
۳۶	خدا کا شکر ہر حال میں	۱۰۳
۳۷	ترقی کا راز	۱۰۴
۳۸	خواجہ قطب الدین بختیار کاکی	۱۰۶
۳۹	تھوڑا مسکرائیں	۱۱۰
۴۰	ضرورت نہیں	۱۱۱

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۴۱	وہ کھڑکی جو چودہ سو سال سے بند نہیں ہوئی	۱۱۴
۴۲	نمرود کی طرح لبرل صحافی لاجواب	۱۱۶
۴۳	اہل تشیع سے ایک علمی گفتگو	۱۱۸
۴۴	امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری	۱۲۴
۴۵	مسجدِ نبوی اور قبر اطہر	۱۳۷
۴۶	عورت کے لئے ایک ہی شادی کا حکم کیوں؟	۱۴۲
۴۷	نیک صحبت کا اثر	۱۴۵
۴۸	شیخ سعدی (میں ایک مرتبہ سفر کر رہا تھا)	۱۴۷
۴۹	حضرات صحابہ کرام کے درمیان ذوق و مزاج کا اختلاف	۱۵۰
۵۰	انسانی صحت کا راز قرآن کی تین آیات میں	۱۵۲
۵۱	تعاون کا انوکھا انداز	۱۵۳
۵۲	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کرامت	۱۵۷
۵۳	قرآن ۔۔۔ ناموں کی ڈکشنری	۱۵۸
۵۴	ھ اور ہ میں فرق	۱۶۳

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱٦٦	حضرت بنوری رحمت اللہ علیہ اور اختلافی مقامات	۵۵
۱٦۸	اجمیر شریف میں نعتیہ مشاعرہ اور جگر مراد آبادی	۵٦
۱۷۳	ایک غیر منقوط نعت شریف	۵۷
۱۷۷	جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے	۵۸
۱۸۳	کیسے کہیں ہم اس کو سارے جہاں سے اچھا	۵۹
۱۸٦	سہرا اور مرثیہ	٦۰
۱۸۸	فہرستِ مضامین	٦۱